لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

طبیب دانا

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دن میں بصرہ کے گلی کوچوں میں گھوم رہا تھا اور اس کے بازاروں میں چکّر لگا رہا تھا، میرے ہمراہ ایک عابد و صالح نوجوان بھی تھا، ہم چل رہے تھے کہ اتنے میں ہمیں ایک عجیب و غریب حکیم حاذق نظر آیا جو ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے بہت سے مرد، عورتیں اور بچّے موجود تھے، جن کے ہاتھوں میں آبگینے اور شیشے تھے اور ان سب میں پانی بھرا ہوا تھا، ان لوگوں میں سے ہر ایک اپنی بیماری کی دوا طلب کر رہا تھا میرے ساتھ جو صالح نوجوان تھا اس نے جب یہ منظر دیکھا تو آگے بڑھ کر طبیب سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس کیا ایسی بھی کوئی دوا ہے جو گناہوں اور امراضِ روحانی کو دور کر دے اور جس سے دل کے تمام روگ دور ہو جائیں؟ اس نے اثبات میں جواب دیا اور نوجوان سے اس طرح دوا کی تفصیل بیان کرنے لگا۔

مَیں تمہیں دسؔ چیزیں بتاتا ہوں، تم انہیں اگر استعمال کروگے تو تمہیں اپنا مطلوبہ فائدہ حاصل ہوگا، تم غیرت و فقر کے درخت کی جڑیں لو اُنھیں عجز و انکسار کی بوٹیوں کے ساتھ ملا لو، اس میں انابت و توبہ کے ہلڑے شامل کر لو، اس نسخے کو تسلیم و رضا کے کھرل میں ڈال کر قناعت و سیر چشمی کے ہاون دستے سے پیس لو، اچھی طرح پس جانے کے بعد اُسے تقویٰ اور پرہیزگاری کی دیگ میں چڑھا دو۔ اوپر سے ذرا سا شرم و حیا کا پانی اُنڈھیل دو، پھر عشقِ الٰہی کی آنچ میں اُسے خوب جوش دے دو، جب یہ دوا تیار ہو جائے تو اسے شکر و سپاس کے پیالے میں ڈال کر اُمید و بیم کے پنکھے سے ذراسی ہوا دے لو، اس کے بعد اللہ کی حمد و ثنا کا چمچہ لے کر دوا پی لو، اگر تم اس مجرّب دوا کو برابر استعمال کرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور دنیا اور آخرت کی تمام بیماریوں اور ہر قسم کے امراض جسمانی و روحانی سے شفائے کُلّی عطا فرمائے گا اور تم سعادتِ ابدی اور نجات سرمدی سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔

زر سالانہ: بیس روپے

فی کاپی: ایک روپیہ

۲۵ جنوری ۱۹۸۱ء

Regd. No. LW/NP 56

Phone: 22948, 29747

TAMEER-E-HAYAT

Fortnightly

NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

SARFRAZ

نگرانِ اعلیٰ

مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت

نذر الحفیظ ندوی

شمس الحق ندوی

محمود الازہار ندوی

پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات، شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

سرزمین رنگ و بو لکھنؤ کے مسحور کن عطریات

شمامۃ العنبر

زعفرانی حنا

کارخانہ

محمد سلیمان محمد یوسف پرفیومرس

یوسف بلڈنگ نادان محل روڈ لکھنؤ (انڈیا) سے طلب کریں

تعمیر حیات میں "اشتہار" دے کر

اپنی تجارت کو فروغ دیں

بمبئی میں

خالص گھی اور

میوہ جات سے بھرپور

مٹھائیاں اور حلویات

عمدہ و لذیذ

سلیمانی افلاطون

اس کے علاوہ خصوصی پیش کش

ڈرائی فروٹ برفی

ملک کیک • قلاقند • ملائی • برفی • کوکو ملائی برفی

ہر قسم کے تازہ و خستہ

بسکٹ

اور

نان خطائیاں

خریدنے کا قابلِ اعتماد مرکز

سلیمان عثمان مٹھائی والے

مینارہ مسجد کے نیچے بمبئی

فون 320059

بیکری ۔۔۔ ۳۳۔ محمد علی روڈ بمبئی ۔ ۳

لحمینہ

سرگرم اور پُر جوش

زندگی گزارنے کے لیے

کھوئی ہوئی طاقت و توانائی حاصل کرنے کے لیے لحمینہ لیجیے! جسے بارہ سو سے زیادہ دوائیں بنانے والے ہمدرد نے طویل عرصہ کی تحقیق اور تجربات کے بعد تیار کیا ہے۔

لحمینہ ان چالیس اجزا کا مرکب ہے جو عضلات اور اعصاب کو نئی قوت و تازگی دیتے اور ان کو صحیح کارکردگی کے لیے متحرک کرتے ہیں۔ آپ کو اگر ایک چست و توانا جسم کی ضرورت ہے تو لحمینہ آزمائیے۔ اسے آپ کامیاب پائیں گے اور نتیجہ میں آپ بھی کامیاب ہوں گے۔

لحمینہ

مردوں اور عورتوں کے لیے

کلیدی اعضاء کی قوت

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرھ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۸ | ۲۵ جنوری سنہ ۱۹۸۱ء — ۱۸ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۱ھ | شمارہ نمبر ۶

نرخِ تعاون

اندرون ملک ——— بیس روپے
فی پرچہ ——— ایک روپیہ
بیرون ملک۔ بحری ڈاک، جملہ ممالک ۵ پونڈ
ہوائی ڈاک
ایشیائی ممالک ——— ۷ پونڈ
افریقی ممالک ——— ۸ پونڈ
یورپ و امریکہ ——— ۱۰ پونڈ

اداریہ

اُمّتِ دعوت

شمس الحق ندوی

مسلمان، آخری نبی کی آخری امت ہیں وہ امت دعوت ہیں، اب دنیا کے فساد و بگاڑ کے دور کرنے اور اصلاح و ہدایت کا فریضہ انجام دینے کا کام انھیں کے ذمہ ہے۔

"کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر۔"

خطرہ کی بات یہ نہیں کہ دنیا میں بگاڑ پیدا ہوگیا ہے بلکہ خطرہ کی بات یہ ہے کہ جس امت کو اس فساد کے دور کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اس کی صفات میں تبدیلی آگئی ہے اس نے اپنے تشخص و امتیاز کو کھودیا ہے یہ امت جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا لشکر فرمایا ہے۔ اس نے وہ تمام خصوصیات کھودی ہیں جن کی بنار پر خدا کا لشکر ہونے کا شرف اس کو حاصل تھا، ان صفات کو کھو کر بھی وہ یہ چاہتی ہے کہ خدا کی نصرت و مدد آتی رہے، ہماری نظر غزوۂ بدر و احزاب کی نصرت و مدد پر جاتی ہے اور ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وہی معاملہ ہو مگر اس پر ہماری نظر نہیں جاتی کہ غزوۂ حنین میں ذراسی خود اعتمادی پر کیسی تنبیہ فرمائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر تو ہماری نظر جاتی ہے مگر اس پر نظر نہیں جاتی کہ وہ صفات بھی ہم میں ہیں یا نہیں جن پر خدا کی مدد آتی ہے۔

یہ تصور کہ ہم مسلمان ہیں، ہمارا مقابل کافر ہے، مسلمان بہرحال کافر سے بہتر ہے اسلئے خدا کی مدد آئے گی اور ہم اس مدد کے مستحق ہیں، بہت بڑا دھوکا اور خود فریبی ہے، اس کی مزید وضاحت کے لئے ہم حضرت عمر ابن عبدالعزیز رح کے خط کا ایک اقتباس پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں جو انھوں نے اپنے کمانڈر منصور بن غالب کو لکھا تھا،

"تم ہر حال میں (تقویٰ) خدا کا پاس و لحاظ رکھو، اللہ تعالیٰ کا پاس و لحاظ بہترین تیاری، کامیاب ترین چال اور زبردست طاقت ہے، دشمن کی کسی چیز سے اتنا نہ ڈرو جتنا اپنے اور اپنے لشکر کے گناہ سے ڈرو، میرے نزدیک دشمن کی چال کے مقابلہ میں گناہ زیادہ ڈرنے کی چیز ہے، دشمنوں کے خلاف ہماری مدد اس لئے کیجاتی ہے کہ وہ خدا کے نافرمان ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہمیں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ ہوتی، کیونکہ نہ تو ہمارے لشکر کی تعداد ان کے لشکر کی ہے اور نہ ہماری تیاری ہی ان کی جیسی ہے۔ اگر نافرمانی میں ہم دشمن کے برابر ہوں گے تو وہ طاقت و قوت میں ہم پر فائق ہوگا، اگر اپنے استحقاق کی بنار پر ہماری مدد نہ کی گئی تو طاقت سے ہم ان پر نہیں غالب آسکتے، تم کسی کی عداوت سے اتنا نہ ڈرو جتنا کہ اپنے گناہ سے، اپنی قوت و طاقت سے زیادہ اپنے گناہوں پر نظر رکھو، تم یہ نہ سوچو کہ ہمارا دشمن ہم سے بُرا ہے اس لئے ہم پر غالب نہیں آئے گا چاہے ہم گناہ کریں، بہت سی قوموں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے ان سے بُرے لوگ مسلط کر دئے گئے، تم جس طرح دشمن کے خلاف اللہ کی مدد کے طالب ہوتے ہو اسی طرح اپنے نفس کے خلاف خدا کی مدد کے طالب رہو۔"

اس خط کی مناسبت سے محمود غزنوی کے ایک واقعہ کا نقل کر دینا شاید ہمارے منشار کو زیادہ واضح کر دے گا۔

"ایک رات کا ذکر ہے کہ محمود غزنوی کا لشکر بلخ کے دروازہ پر پڑا تھا، اور صبح کو ترکستان کے حکمراں سے مقابلہ تھا، محمود آدھی رات کو اٹھا اور غسل کے لئے گرم پانی منگوایا مگر نہ ملا، اس رات برف باری ہو رہی تھی، برفانی ہوا کے طوفان آرہے تھے، اس کے باوجود اس نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا، مصلیٰ بچھا کر عبادت کرنے لگا، مصاحبوں نے کہا بھی کہ صبح کو معرکہ درپیش ہے، آج رات تو آپ کو آرام کرنا چاہئیے، محمود نے کہا میرا کام آج ہی رات کا ہے، کل کا کام خدا کا ہے میرا نہیں۔ چنانچہ صبح تک عبادت میں مصروف رہا، فجر ہوئی تو اٹھا، نماز پڑھی اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ الٰہی! ہم دو فریقوں میں سے جو تیرے بندوں کے حق میں زیادہ بہتر ہو اسے فتح عنایت کر، یہ دعا مانگ کر گھوڑے پر سوار ہوا سیدھا لڑائی کے میدان میں آیا اور اسی کو فتح انگیز

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی ہی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ Rs. 23/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب و سنت سے

باہم صلح اور میل جول کرانے کی
فضیلت و اہمیت

مولانا سید عبدالحی حسنی رح

آیات قرآنی:۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ۔ (سورہ نسار آیت ۔ ۱۱۴)

ان لوگوں کی بہت سی مشورتیں اچھی نہیں، ہاں (اس شخص کی مشورت اچھی ہوسکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے۔

فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ۔ (حجرات ۔ ۱۰) تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو۔

وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ۔ (انفال ۔ ۱) اور آپس میں صلح رکھو۔

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ۔ (نسار ۔ ۱۲۸) اور صلح خوب (چیز) ہے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی عمرو بن عوف کا آپس میں کچھ اختلاف ہے تو آپ کچھ لوگوں کے ساتھ ان میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے، معاملہ طے ہونے میں دیر لگی اور نماز کا وقت آگیا، حضرت بلال رض، حضرت ابوبکر رض کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابوبکر رض! حضور صلی اللہ علیہ وسلم معاملہ طے کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں اور نماز کا وقت قریب آگیا ہے، کیا آپ امامت فرما سکتے ہیں؟ حضرت ابوبکر رض نے کہا ہاں اگر آپ چاہتے ہیں تو میں نماز پڑھا سکتا ہوں۔ (متفق علیہ)

حضرت سہل بن سعد رض ہی سے روایت ہے کہ قبار کے لوگوں میں باہم لڑائی ہوئی (بات اتنی بڑھی کہ) پتھر بازی شروع ہو گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی گئی، آپ نے فرمایا، ہمارے ساتھ چلو ہم ان میں صلح کرادیں۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے پر دو لڑنے والوں کی آواز سنی دونوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، ان میں کا ایک دوسرے سے کسی معاملہ میں کمی کرا رہا تھا اور نرمی کی درخواست کر رہا تھا اور وہ قسم کھا کر انکار کر رہا تھا کہ نہیں کروں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکل کر ان دونوں کے پاس آئے اور فرمایا، نیکی نہ کرنے کی قسم کھانے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا اللہ کے نبی میں ہوں، یہ جو چاہے میں اس کے لئے راضی ہوں۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر روز سورج طلوع ہونے کے بعد انسان کے ہر جوڑ پر ایک صدقہ واجب ہوتا ہے، وہ دو آدمیوں کے درمیان صلح کرا دیتا ہے یہ بھی صدقہ ہے، سواری پر سوار ہونے میں آدمی کی مدد کر دیتا ہے یا اس کا سامان اٹھا کر اسے دے دیتا ہے یہ بھی صدقہ ہے، بھلی بات کہنا یہ بھی صدقہ ہے۔ ہر قدم جو نماز کے لئے اٹھاتا ہے صدقہ ہے، راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا یہ بھی صدقہ ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابو معیط رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانے والا جھوٹا نہیں وہ نیک کام کرتا ہے اور بھلی بات کہتا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ منبر پر تشریف فرما تھے اور پہلو میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے، آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے کبھی حضرت حسن رض کی طرف اور فرماتے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے۔ (بخاری)

حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو روزہ، نماز، اور صدقہ سے افضل کام نہ بتا دوں؟ حضرات صحابہ نے عرض کیا اللہ کے نبی! ضرور فرمائیے، آپ نے فرمایا باہم صلح کرا دینا اور آپس کا بگاڑ دین کو برباد کر دیتا ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، چغل خور جنت میں نہیں داخل ہوگا، ایک روایت میں ہے کہ چپکے سے لوگوں کی باتیں سن کر چغلی کرنے والا جنت میں نہیں داخل ہوگا۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گذرے جن کو عذاب ہو رہا تھا، آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات کے بارے میں نہیں عذاب ہو رہا ہے، کیوں نہیں وہ بڑی (بات) ہے ان میں سے ایک تو چغلی کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے احتیاط نہیں کرتا تھا۔ (متفق علیہ)

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوعِ انساں کو

تو رازِ کُن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہوجا
خودی کا راز داں ہوجا، خدا کا ترجماں ہوجا
ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہوجا، محبت کی زباں ہوجا
یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی، وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اُچھل کر بے کراں ہوجا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پُرفشاں ہوجا
خودی میں ڈوب جا غافل! یہ سرِّ زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہوجا
مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہوجا
گزر جا بن کے سیلِ تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہوجا
ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

(اقبال رح)

اسلام کی نشأۃ ثانیہ کو کچلنے کا
عالمی منصوبہ

مولانا واضح رشید ندوی ایڈیٹر "الرائد"
عربی سے ترجمہ: محمد اکرم درجہ ششم عربی

چودھویں صدی کا آخری سال شروع ہوتے ہی پندرہویں صدی کے اسلام کے حق میں سازگار ہونے یا نہ ہونے کے متعلق پوری دنیائے اسلام میں پیشین گوئیاں ہونے لگی تھیں، مصنفین، مفکرین اور عوام الناس سبھی کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا تھا اور سب لوگ اسی عقدے کے حل میں مصروف تھے، اس بحث میں شریک ہونے والوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ اور مخلصین بھی تھے اور اس مسئلہ کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش اور فریب کاری کا وسیلہ اور ذریعہ بنانے والے بدخواہ اور مخالفین بھی تھے۔

چودھویں صدی کے اختتام پر مسلمانوں کے اندر بیداری کے آثار نمایاں تھے اور نشأۃ نو کی شعاعیں نظر آنے لگی تھیں مسلمانوں میں عرصہ سے یہ احساس پیدا ہو رہا تھا کہ علم و ثقافت، تہذیب و تمدن، ترقی و آزادی کے نام پر ان کا ثقافتی اور فکری استحصال کیا گیا ہے اور علم و تمدن کے نام پر دھوکا اور فریب دیا گیا ہے، وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ ہمیں زندگی کی قدروں، شرافت انسانی اور شخصی آزادی سے محروم کیا گیا اور برسر اقتدار نظاموں اور روح و ضمیر سے خالی پیشہ ور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے ہاتھوں ہمیں ناپاک پروپیگنڈے کا نشانہ بنایا گیا اور ہمارے دین، تہذیب اور اعلیٰ قدروں کو پامال کیا گیا۔

مسلمانوں کا یہ احساس گذشتہ سالوں کے دوران برابر ترقی کرتا رہا اسی عرصہ میں دنیا کے مختلف ملکوں میں مسلمانوں کو دہشت انگیزی اور ظلم کا نشانہ بنایا گیا، اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ معاندانہ رویہ میں اضافہ ہوا، جھوٹے اور ناپاک پروپیگنڈوں کے ذریعہ اسلامی طرز حیات اور اقدار پر حملے کئے گئے، مسلمانوں کی ایسی مہیب اور خوفناک تصویر کھینچی گئی، اور اس کے ظاہر و باطن اور طرز زندگی کو اس روپ میں پیش کیا گیا ہے کہ دیکھنے والے پر وحشت و گھبراہٹ طاری ہو جائے۔ اس تصویر میں یہ دکھایا گیا کہ اگر زندگی کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی تو وحشت و بربریت کی داستان پارینہ پھر تازہ ہو جائے گی، قتل و خونریزی کا بازار گرم ہو جائے گا، انسانوں کو حق آزادی سے محروم کر دیا جائے گا، زندگی کے آثار و نقوش مٹا دیے جائیں گے، زندگی اونٹوں اور صحرا و بیابان کے دور میں داخل ہو جائے گی، اور تمام فلسفے، مکاتب فکر، مذاہب اور ان کے ذخیرے سمندر میں پھینک دیے جائیں گے یا نذر آتش کر دیے جائیں گے۔

تاریخ اسلام اور مسلمانوں کی زندگی سے آب و آتش کی طرح میل نہ کھانے والی یہ گھناؤنی تصویر ایسے لوگوں کے ہاتھوں کھینچی گئی، جنھوں نے بغض و کینہ اور جذبۂ انتقام سے لبریز ذہنوں سے تاریخ اسلام اور دیگر علوم کا مطالعہ کیا تھا اور اسی ذہن کے ساتھ انھوں نے تعلیم و تربیت اور نشر و اشاعت جیسے اہم و نازک کام کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا ان کی تعلیم و تربیت ایسے اساتذہ کے زیر اثر ہوئی تھی جن کو مسلمانوں کے دور انحطاط میں نشو و نما پانے والی صلیبی، صیہونی تحریکیں ابھارتی اور اکساتی رہتی تھیں، اس طرح اس پورے عرصہ میں اسلام اور مسلمان اتہام اور افترا پردازی کا نشانہ بنے رہے۔

اس مہم میں غیر ملکی حکام ہی نہیں بلکہ ان کی زیر تربیت رہنے والے موقع پرست مسلم حکام دہشت انگیزی، ذلت و رسوائی اور اسلامی احساسات کو کچلنے کی کوشش میں مصروف رہے، ان زبردست آزمائشوں سے دوچار ہونے کے باوجود مسلمانوں نے نشأۃ نو کی کوششیں جاری رکھیں، کچھ سرفروش اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لئے جدوجہد کرتے رہے، اور ان ملکوں میں جہاں پردہ ملکی آئین کے تحت زندگی بسر کر رہے تھے، اپنے جائز شہری حقوق کا مطالبہ کرنے اور اپنی بات کو حکام تک پہنچانے اور آزادی و استقلال کی زندگی گزارنے اور اپنی زبان و کلچر کی حفاظت کرنے کے لئے انھوں نے برابر اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں، ان کی قربانیوں کے نتیجہ میں اسلام کی آواز میں طاقت پیدا ہوئی اور ظالم طاقتوں کی طرف نفرت کے احساسات بیدار ہونے لگے، انصاف پسند دل مسلمانوں کی طرف مائل ہونے لگے، تو دشمنانِ اسلام جنھوں نے اسلام کو بدنما بنا کر پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسلام کو صحت مند ماحول مل جائے اور عوام کی ہمدردیاں حاصل ہو جائیں، اس کی گذشتہ شان و شوکت پھر قائم ہو جائے اور اس کی دینی اور دستوری حیثیت اس طرح واضح اور عیاں ہو جائے کہ لوگ اس کی طرف مائل ہونے لگیں، جب کہ طاقت، پروپیگنڈے اور گمراہ کن نظریات کے زور سے نافذ کردہ مغرب کے خود ساختہ نظاموں سے مایوسی اور ناامیدی کا احساس بڑھتا جا رہا ہے۔

انسانیت مدتوں قافلۂ انسانیت کے رہزنوں اور خون آشام، موقع پرست لیڈروں کے زیر اثر رہی ہے جنھوں نے اس کی صورت کو مسخ کرنے، شرافت انسانی اور اعلیٰ اقدار کو پامال کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا اور اس کے ساتھ مال و متاع اور مجبور و بے اختیار غلام جیسا سلوک کیا، جسے عقیدہ اور کلچر کی آزادی سے محروم کر دیا گیا، مافی الضمیر کے اظہار پر پابندی لگا دی گئی اور اسے اس کی فطرت کے خلاف زبان و کلچر اور عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا اس طرح اس کو جانوروں بلکہ اس سے بھی بدتر مخلوق کی صف میں لا کھڑا کیا گیا۔

مشرقی اور مغربی کیمپوں میں پیش آنے والے واقعات انسانوں کو جسمانی، روحانی اور فکری اعتبار سے غلام بنانے کی مثالیں ہیں آج سارے عالم میں خود مختار اور مطلق العنان نظاموں نے انسانوں کو ...... اپنے نظاموں اور فلسفوں کا غلام بنا لیا ہے جن لوگوں کو ان نظاموں سے سابقہ پڑ چکا ہے، ان کے نزدیک ان کی بے ثباتی عیاں ہو چکی ہے۔

جب مسلمانوں کے اس احساس و شعور میں روز افزوں ترقی ہونے لگی اور دنیا میں چاروں طرف سے اسلامی رجحانات بڑھنے لگے اور ظلمت و تیرگی کے بعد افق عالم پر نئی روشنی نمودار ہونے لگی اور بعض جگہوں پر اس رجحان کے آثار بھی نظر آنے لگے تو مخالف طاقتیں اس سیل رواں کو روکنے کے لئے سینہ سپر ہو گئیں اور مکر و فریب کے جملہ وسائل سے لیس ہو کر سامنے آگئیں تاکہ لوگوں کی توجہ دوسری طرف مبذول کر کے اسلامی بیداری کی رفتار کو روک دیں اور گھڑی کی سوئی چودھویں صدی کے آغاز کی جانب پھیر دیں۔

اسلام دشمن طاقتیں اسلامی رجحانات کو دبانے کے لئے ہر طرح کے حیلے اور بہانے ڈھونڈھتی رہتی ہیں اور مقابلہ کے مواقع کی تلاش میں کوشاں رہتی ہیں کیونکہ ان کے پاس دباؤ ڈالنے کے ذرائع اور نشر و اشاعت کے وسائل ہیں، جن سے کبھی بھڑکا کر اور کبھی اشتعال دلا کر مسلمانوں کو کسی طاقت میں ضم ہو جانے پر آمادہ کرتی رہتی ہیں تاکہ ان کا کام تمام کرنے کا موقع ہاتھ آ جائے، مسلمانوں میں جب بھی بیداری کا احساس پیدا ہوتا ہے، عالمی طاقتیں اس کو کچلنے کی کوشش میں لگ جاتی ہیں۔

یہ ایک عالمی منصوبہ ہے جس میں تمام عالمی طاقتیں شریک ہیں، افغانستان، شام، لیبیا، یمن اور ایشیا افریقہ کے بہت سے ملکوں میں مسلمانوں کو غلامی میں مبتلا رکھنے اور اسلام سے دور رکھنے کی مسلح کوششیں حکومتوں کی سرپرستی میں اور مغربی سامراجیت کی ہدایت کے مطابق جاری ہیں، کہیں فوجی طاقت کے ذریعہ کہیں وسائل ابلاغ کے ذریعہ، کہیں اقتصادی وسائل کے ذریعہ مسلمانوں کو پسماندہ رکھنے کی کوشش اور اپنی تہذیب و ثقافت سے محروم یا بدگمان رکھنے کی کوشش جاری ہے، ہندوستان میں بھی ایسی بعض تحریکیں ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں صحت مند رجحان نہیں رکھتیں اور ان کی وجہ سے اکثر ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جو مسلمانوں میں بے اطمینانی کا احساس پیدا کر دیتے ہیں، انڈونیشیا میں گذشتہ چند سالوں سے صلیبی ذہن غالب آتا جا رہا ہے جس کی وجہ سے مسلمان اکثریت میں ہونے کے باوجود اپنے بعض بنیادی حقوق سے محروم ہیں، روس کی اسلامی جمہوریتوں میں پابندیاں اور سختیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔

مسلمانوں پر لگائی جانے والی تہمتوں اور ان کے خلاف استعمال کئے جانے والے

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

از: موریس بیکائی
مترجم: سید غلام معین الدین

قرآن اور سائنس

ڈاکٹر موریس بیکائی DR. MAURICE BUCAILLE ایک ممتاز سائنس داں، سرجن اور صاحب قلم ہیں جنھوں نے "دی بائبل دی قرآن اور سائنس" کے نام سے اس مضمون پر معرکۃ الآرا کتاب تصنیف کی ہے۔

۹ نومبر ۱۹۷۶ء کو فرانسیسی طبی اکیڈمی میں ایک عجیب سا لکچر دیا گیا۔ اس کا موضوع تھا قرآن میں علم الاعضا اور علم الجنین کے متعلق مواد۔ میں نے قرآن کی ان آیات کو جن میں افعال اعضا اور اشیاء کی دوبارہ پیدائش کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، پیش کیا اور بتایا کہ یہ غیر ممکن سی بات معلوم ہوتی ہے کہ اس قدیم زمانہ میں جب کہ قرآن نازل ہوا تھا ایسے خیالات کا اظہار کیا گیا ہو جن کے متعلق زمانہ حال میں انکشاف ہوئے ہیں۔

پہلی بار میرے مخاطب اس طبی سوسائٹی کے ایسے ممبر تھے جو ان علوم کے بنیادی تصورات کے بارے میں پورا علم رکھتے تھے۔ میں آسانی کے ساتھ ان آیات کو بھی پیش کر سکتا تھا جن میں قرآن نے دوسرے سائنسی علوم پر روشنی ڈالی ہے۔ میرے خیال میں ڈاکٹروں کی طرح دوسرے علوم مثلاً فلکیات، حیوانیات، ارضیات اور اس کرۂ ارض کی تاریخ کے ماہرین بھی قرآن کے ایسے بیانات سے حیرت زدہ رہ جاتے جن میں مظاہر فطرت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ قرآن کے یہ بیانات واقعی حیرت انگیز ہیں کیونکہ سائنس کے ارتقاء کی تاریخ ہمیں سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ آخر قرآن میں انکے موجود ہونے کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔

در اصل موجودہ زمانے میں پہلے کی کوئی ایسی تصنیف موجود نہیں جس کے علمی مواد کا قرآن سے مقابلہ کیا جا سکے۔ قرآن کے ان بیانات کا تعلق موجودہ علم سے ہے۔ یورپین زبانوں میں قرآن کے شائع شدہ ترجمہ اور تفسیروں میں خال خال ان باتوں کی جانب اشارے کئے گئے ہیں۔ قرآن کی عربی تفسیروں میں بھی ان سائنسی مواد کا پوری طرح جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ اور اسی لئے اس قسم کی تحقیق اور بھی دلچسپی کا موجب ہو گی۔

اس کے علاوہ بائبل کے (نئے اور پرانے عہد نامہ میں) اس قسم کے مواد کا تقابلی مطالعہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر میں نے توحید پرست مذاہب کے صحیفوں میں موجود ایسے مواد کا موجودہ علوم کی روشنی میں مطالعہ شروع کیا اور اس کے نتیجہ میں میری کتاب "بائبل قرآن اور سائنس" کا فرانسیسی ایڈیشن مئی ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا۔ اس کے انگریزی اور عربی تراجم بھی اب شائع ہو چکے ہیں۔

اسلام اور سائنس کے درمیان اس تعلق کو رسول اکرم کی اس حدیث میں کہ "علم کی تلاش کرو خواہ وہ چین ہی میں ملے" سب سے بہتر انداز میں پیش کیا گیا ہے کیونکہ اس حدیث میں انسان کو تلاش علم کی دعوت دی گئی ہے۔

اسلام میں مذہب اور علم کو ایک دوسرے کا مددگار تصور کیا جاتا ہے، اکثر اوقات سائنس کی موجودہ ترقی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی جدید ترین معلومات کو قرآن کی بعض آیات کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مزید برآں اس زمانے میں جب کہ موجودہ سائنسی ترقی نے مذہب کو عظیم صدمہ پہنچایا ہے بعض سائنسی انکشافات کو وحی الٰہی کی صداقت ثابت کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے ان سب باتوں کے پیش نظر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ لوگوں کے عام خیال کے برعکس سائنسی علوم اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ خدا کے وجود پر غور و فکر کیا جائے۔

اگر ہم تمام تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر یہ غور کریں کہ موجودہ سائنس سے حاصل شدہ علم (مثلاً حیاتیات خصوصاً سب سے چھوٹے جاندار جراثیم سے متعلق علم) سے ہمیں الہیاتی سبق ملتا ہے تو پھر ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ان کے اجسام کی ساخت اور آثار حیات اس قدر عجیب و غریب ہیں کہ انھیں اتفاق پر محمول کرنے کے مواقع کم سے کم تر ہوتے جا رہے ہیں بلکہ بعض نظریات کو ہمیں مسترد ہی کر دینا پڑے گا۔ مثلاً طب میں نوبل پرائز پانے والے فرانسیسی عالم کا خیال یہ تھا کہ مادہ کے کیمیائی اجزاء پر بعض بیرونی اثرات کی وجہ سے زندگی خود بخود وجود میں آگئی ہے اس نظریہ سے یہ نتیجہ نکالا جانے لگا کہ اس قسم کی جسمانی ترتیب ترقی کر کے اس کی پیچیدہ شکل نمودار ہوئی ہے جسے ہم انسان کہتے ہیں میرے خیال میں حیات رکھنے والے اعلیٰ حیوانی اجسام کا عجیب و غریب نظام ہمیں اس نظریہ کے برعکس نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور کرتا ہے کیونکہ حیات کو برقرار رکھنے کے لئے ایک انتہائی پیچیدہ اور مرتب جسم کی ساخت ضروری ہے۔ صدیوں تک انسان اس قابل نہیں تھا کہ اس پیچیدہ نظام کا مطالعہ کر سکے کیوں کہ اس کے پاس ذرائع موجود نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف موجودہ زمانے میں قرآن کی بعض ایسی آیات کا سمجھنا ممکن ہوا ہے جن میں ان حقائق کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ پرانی تفسیروں کو پڑھنے سے خواہ ان کے مصنف اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم کیوں نہ رہے ہوں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ مجھے تو یہ کہنے میں بھی تامل نہیں ہے کہ اس بیسویں صدی میں کسی بھی سائنس داں کے لئے قرآن کی ان آیات کا مطلب سمجھنا زیادہ آسان ہے لیکن قرآن کی ایسی تمام آیات کا مطلب جاننے کے لئے ایک آدمی کو بحر العلوم ہونا پڑے گا کیونکہ اس میں مختلف علوم کے رموز بکھرے ہوئے ہیں۔

میں یہاں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ سائنس سے میرا مطلب "علم" سے ہے ان نظریات (THEORIES) سے نہیں جنھیں کسی چیز کی ماہیت سمجھنے کے لئے کچھ عرصہ تک استعمال کیا جاتا ہے اور پھر مزید سائنسی انکشافات ہونے کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے اس لئے میں نے قرآنی آیات کا تقابلی مطالعہ صرف ان معلومات سے کیا ہے جنھیں ثابت کیا جا چکا ہے اور جن پر مزید بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ جہاں میں اپنے سائنسی معلومات کا حوالہ دوں گا جو ابھی تک سو فیصدی ثابت شدہ نہیں ہے وہاں میں اس کی وضاحت بھی کر دوں گا۔

قرآن میں کچھ ایسی آیات بھی ہیں جن پر ابھی تک سائنس کی مہر تصدیق نہیں ثبت کی گئی ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے صرف یہی کہوں گا کہ موجودہ معلومات ان کے صحیح ہونے کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ اس قسم کی ایک آیت قرآنی وہ ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ زندگی کی ابتدا پانی سے ہوئی ہے۔ ایسی ہی ایک دوسری آیت میں کہا گیا ہے کہ کائنات میں ہماری دنیا جیسے دوسرے کرۂ ارض موجود ہیں۔

قرآن کے اس سائنسی مطالعہ کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اول و آخر ایک مذہبی صحیفہ ہے جس کا بنیادی مقصد سائنس کی تعلیم نہیں ہے۔ اس میں جہاں کہیں مظاہر فطرت اور تخلیقات پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے وہاں اس کا مقصد خدا کے قادر مطلق ہونے پر زور دینا ہے اگرچہ ان چیزوں پر جن پر اس طرح توجہ دلائی گئی ہے کہ ہم ان پر غور و خوض کر کے سائنسی حقائق تک پہنچ جاتے ہیں تو یہ محض انعام خداوندی ہے جس کی اس مادی دور الحاد میں قدر کی جانی چاہئے۔ بہر حال قرآن کے وحی الٰہی ہونے کے لئے اس دلیل کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اس قسم کے سائنسی حقائق کا بیان اس کی ان خصوصیات میں سے ایک ہے جو بائبل میں موجود نہیں ہے۔

میں نے اپنی تحقیق میں واقعیت پسندی سے کام لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں قرآن کے مطالعہ کے وقت اتنا ہی حقیقت پسند رہا ہوں جتنا کہ ایک ڈاکٹر کسی مریض کی فائل کھولتے وقت ہوتا ہے۔ یعنی مرض کی تشخیص میں وہ تمام علامات مرض پر پوری توجہ دیتا ہے۔ مجھے اس کا بھی اعتراف ہے کہ میری رہنمائی اسلام پر ایمان نے نہیں کی بلکہ سچائی کی تلاش نے مجھے اس کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اس طرح حقائق کی تلاش میں قرآن کے مطالعہ نے مجھے اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ یہ صحیفہ ایک پیغمبر پر نازل ہوا ہے۔

یہ ایک جانی بوجھی حقیقت ہے کہ قرآن کو اس کے نازل ہونے کے وقت سے ہی پیغمبر اسلام اور ان کے صحابہ یاد کرتے اور تلاوت کیا کرتے تھے اور کاتب اسے لکھ لیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ تقریباً بیس سال تک چلتا رہا۔ قرآن کی بہت سی نقول تیار کی گئیں۔ پھر حضرت عثمان کی خلافت کا دور آیا، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارہویں سال سے چوبیسویں سال تک

رہا) حضرت عثمانؓ کے حکم سے اسلام کے ماتحت تمام علاقوں میں تقسیم کرنے کے لئے قرآن کی نقلیں تیار کی گئیں اس سے ایک بہت اہم بات سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ اسکی تیاری میں حفاظ کے ذریعہ اس کی صحت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ حفظ کا طریقہ اس وقت بہت ضروری تھا کیونکہ ہر شخص پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔ حفظ کرنا ہر آدمی کے لئے ممکن تھا۔

علاوہ بریں قرآن نے خود تحریر کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ سورہ علق کی پہلی پانچ آیتوں میں جو پیغمبر اسلام پر نازل ہونے والی سب سے پہلی آیتیں ہیں بہت واضح طور پر کہا گیا ہے،

"آپ پڑھئے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے سب کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے۔ آپ پڑھا کیجیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دیدی جنھیں وہ نہیں جانتے تھے۔

(۹۶: ۱-۵)

بلاشبہ پروفیسر حمید اللہ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ قلم کی یہ تعریف انسان کے علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ہے۔"

میں نے اپنی کتاب "بائبل۔ قرآن اور سائنس" میں قرآن کے ایسے اقتباسات دیے ہیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئے تھے اور جن میں اس کا اشارہ ملتا ہے کہ ۶۲۲ء میں پیغمبر اسلام کے مکہ سے مدینہ ہجرت کے قبل ہی قرآن ضبط تحریر میں آنا شروع ہو چکا تھا۔

اس کے علاوہ بھی قرآن کی فوری طور پر تحریر کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ پروفیسر جیکس برک (Prof. Jacques Berque) نے مجھے بتایا تھا کہ اس طرح فوری تحریر کو کس درجہ اہمیت حاصل ہے خصوصاً یہود و نصاریٰ کے صحائف کے مقابلہ میں جن کی تحریر بہت زمانے کے بعد وجود میں آئی تھی۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ پہلی بار جب قرآن تحریر کیا گیا تھا اس سے بہت قریب کے زمانہ کے تحریری مسودات اب بھی موجود ہیں۔

اگر اس کے علاوہ بھی کسی اور دلیل کی ضرورت ہو تو میں ایک اہم بات کا ذکر کروں گا ہم اس مضمون میں قرآن کی ان آیات کا ذکر کرینگے جن میں کسی سائنسی حقیقت کا بیان ہے لیکن پہلے زمانے کے لوگ اس کے صرف ظاہری معنی ہی سمجھتے تھے اور اکثر اوقات یہ تشریح بے معنی بھی ہو جاتی تھی۔ اب یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ اگر قرآن میں بعد کے لوگ ترمیم کرتے رہے تو اس قسم کی مبہم اور گنجلک آیات جو پورے قرآن میں بکھری ہوئی ہیں انسانی دست برد سے کس طرح محفوظ رہ گئیں۔ اس قسم کی معمولی تحریف بھی قرآنی متن کے اس بے مثال ربط کو ضائع کر دیتی جو اس کی بہت بڑی خصوصیت ہے اور پھر موجودہ علوم سے اس کا موازنہ کرنا ناممکن ہو جاتا۔ قرآن میں ان آیات کا جگہ جگہ موجود ہونا ہی ایک غیر جانبدار مبصر کو یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہے کہ یہ غیر محرف ہے۔

قرآن ایک خطبہ یا وعظ ہے جو نوع انسانی تک وحی الٰہی کے بیس برسوں میں پہونچا۔ یہ عرصہ ہجرت کے دونوں جانب تقریباً برابر کے وقفوں میں بٹا ہوا ہے۔ اس لئے یہ بالکل فطری بات ہے کہ سائنسی پہلو رکھنے والے موضوعات پوری کتاب میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اس قسم کے مطالعہ کے لئے جیسا کہ میرے پیش نظر ہے ایسی سورتوں کو مختلف موضوعات کے تحت جمع کرنا ہوگا۔

لیکن اس قسم کی درجہ بندی کس طرح کی جائے؟ مجھے قرآن میں ایسی کوئی درجہ بندی نظر نہیں آئی اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے میں اپنی صواب دید کے مطابق ہی پیش کروں۔ مجھے یہ نظر آیا کہ اس مقصد کے لئے سب سے پہلے تخلیق کے موضوع پر توجہ دی جائے۔ آج دنیا میں تخلیق کائنات کے متعلق جو نظریات رائج ہیں ان سے ان آیات کا مقابلہ کرنا آسان ہے

اس کے بعد میں نے جن موضوعات کا انتخاب کیا ہے وہ ہیں فلکیات، کرہ ارض، نباتات اور حیوانات۔ انسان اور خصوصاً انسانی ولادت۔ آخر الذکر مضمون کو قرآن نے کافی اہمیت دی ہے۔ ان سرخیوں کے تحت اور موضوعات کا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً انسانی ولادت کے ساتھ جنسی تعلیم کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ میں نے یہ بھی ضروری سمجھا ہے کہ موجودہ علوم کی روشنی میں قرآن اور بائبل کے بیانات کا بھی موازنہ کیا جائے۔ تخلیق۔ سیلاب نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کے مصر سے خروج کے سلسلہ میں ایسا کیا بھی گیا ہے کیونکہ آج ہمیں جو معلومات حاصل ہو چکی ہیں انھیں اس تقابلی مطالعہ میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ قرآن نے تخلیق کو کس طرح بیان کیا ہے۔

ایک بہت اہم بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کا بیان بائبل سے مختلف ہے۔ اس سے اس عام خیال کی تردید ہوتی ہے جو مغربی علماء دونوں کی ظاہری مماثلت دیکھ کر قائم کر لیتے ہیں، صرف مماثلت پر توجہ دینا اور اختلافات کو نظر انداز کر دینا حقیقت کو مسخ کرنا ہے۔ دراصل ان لوگوں کی غلطی کی وجہ بھی یہی ہے۔

تخلیق کا ذکر کرتے وقت مغرب کا ایک عام رجحان یہ دعویٰ کر دینا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائبل سے اسے نقل کر دیا ہے بائبل میں جس طرح کائنات کی تخلیق چھ دن میں مکمل کرنے کے بعد ساتویں دن خدا کے آرام کرنے کا حال بیان کیا گیا ہے اس کا مقابلہ ہم سورہ اعراف کی اس آیت سے کر سکتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ:-

"بے شک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کر دیا۔"

(۷: ۵۴)

لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن کے موجودہ مفسرین "ایام" کا مطلب "زمانہ" یا "دور" بتاتے ہیں حالانکہ اس کے ایک معنی "دن" بھی ہیں مگر وہ اس سے چوبیس گھنٹے کا دن مراد نہیں لیتے۔

لیکن میرے خیال سے جو بات بنیادی اہمیت کی ہے وہ یہ ہے کہ بائبل کے بیان کے برعکس قرآن زمین اور آسمان کی تخلیق کو سلسلہ وار بیان نہیں کرتا۔ کہیں قرآن میں آسمان کی تخلیق کا ذکر زمین کی تخلیق سے پہلے ہے اور کہیں زمین کا ذکر آسمان سے پہلے ہے۔ مثلاً سورہ طٰہٰ میں کہا گیا ہے کہ،

"(اللہ) جس نے بنایا زمین اور بلند آسمانوں کو۔"

(۲۰: ۴)

دراصل قرآن سے تخلیق کائنات کا جو خیال ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں کی تخلیق متلازم تھی۔ بلکہ اس سے بڑھ کر کائنات کی تخلیق کے بنیادی اجزاء مثلاً ابتدائی مادہ گیس (دخان) کا ذکر بھی اس میں موجود ہے جو تخلیق کا بنیادی عنصر تھا اور جو ایک بار کثیر مقدار میں جمع (رتق) ہو گیا پھر پھٹ (فتق) کر جدا ہو گیا۔ یہ خیال سورہ حٰم السجدہ کی اس آیت میں موجود ہے۔

"پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ کی اس حال میں کہ وہ دھواں تھا"۔ (۴۱: ۱۱)

اور سورۃ الانبیاء کی اس آیت میں بھی۔

"جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں انھیں علم نہیں کہ آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا۔" (۲۱: ۳۰)

سماوات اور ارض کے اس طرح جدا ہونے سے کائنات کے متعدد عالم وجود میں آگئے۔ یہ بات قرآن میں کم از کم ایک درجن بار دہرائی گئی ہے اور سورہ فاتحہ کی پہلی آیت میں بھی اشارہ کیا گیا ہے "تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جو رب ہے جہانوں کا" (۱: ۱)

یہ تمام باتیں موجودہ تحقیقات سے مطابقت رکھتی ہیں جس کی رو سے ابتدائی سدیم (NEBULE) کے پھٹنے سے اسکے عناصر ترکیبی جدا ہو گئے جن پر وہ مشتمل تھا اور پھر ان کی مزید تقسیم سے وہ تمام عالم پیدا ہوئے جو کائنات بناتے ہیں۔ قرآن میں آسمان اور زمین کی تخلیق کے بیچ ایک درمیانی تخلیق کا بھی ذکر ہے۔ سورہ فرقان کی ایک آیت میں کہا گیا ہے۔

"(وہ) وہی ہے جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اسے پیدا کیا۔"

(۲۵: ۵۹)

یہ درمیانی تخلیق اس چیز سے بالکل مطابقت رکھتی ہے جسے موجودہ تحقیقات کی زبان میں "مادہ کا پل" کہا جا سکتا ہے اور جو ہمارے فلک کی حدود کے باہر ابھی تک موجود ہے۔ اس سے یہ تو ظاہر ہو گیا کہ قرآن اور ہماری موجود تحقیقات کس طرح بہت بڑی حد تک ایک دوسرے کے بیان سے متفق ہیں۔ آیئے بائبل پر دوبارہ نظر ڈالیں جس میں بیان کردہ کائنات کی درجہ بدرجہ تخلیق کو ماننا آج ناممکن ہو گیا ہے۔ خاص طور پر اس کا یہ بیان کہ آسمان کی تخلیق (جو چوتھے دن بنایا گیا) سے پہلے زمین کی تخلیق (تیسرے دن) کی گئی کیونکہ ہمیں آج یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ ہماری زمین اپنے سیارہ یعنی سورج سے جدا ہو کر وجود میں آئی ہے۔ اب یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ جس شخص نے بائبل سے خیالات مستعار لئے ہوں وہ قرآن کی تصنیف کر سکتا ہے اور یہی نہیں بلکہ اس نے بائبل کی غلطیوں کی اس طرح تصحیح کر دی کہ صدیوں کے بعد کائنات کی تخلیق کے متعلق جو معلومات حاصل ہوئی ہیں اس سے اس میں مطابقت بھی پیدا ہو گئی ہے۔

(باقی آئندہ)

اسلام کا پیغام

پندرھویں صدی ہجری کے نام

مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی۔ ترجمہ و تلخیص: عبد القیوم کشمیری

پندرھویں صدی ہجری کا آغاز ایسے نازک اور اہم واقعات سے ہو رہا ہے جنھیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ مسجد اقصیٰ پر یہودی تسلط اور اسے مستقل دارالحکومت بنانے کا فیصلہ یہ وہ المیہ ہے جس نے پورے عالم اسلام کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اگرچہ بعض اسلامی ممالک نے اسرائیل کے خلاف جہاد کا اعلان بھی کیا، لیکن قبل اس کے کہ اس اعلان کو عملی جامہ پہنایا جاتا ایران اور عراق کے درمیان تناؤ شروع ہو گیا اور کچھ ہی عرصہ بعد یہ تناؤ سخت قسم کی خونی جنگ میں بدل گیا جس سے دونوں ملکوں کو غیر معمولی نقصان کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

تاہم ان ہولناک واقعات کے باوجود ہم پندرہویں صدی کو تمام مسلمانان عالم کے لئے خوش آئند سمجھتے ہیں۔ ہم نے اس صدی سے اپنی بہت سی تمنائیں اور امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔ بعید نہیں کہ یہ صدی امن و سلامتی کا پیغامبر ثابت ہو۔ مسلمانوں کی عزت و سعادت اور اسلام کے از سر نو عروج کا باعث ہو۔ ماضی میں ہمارے لئے بہت سی عبرتیں ہیں اس موقعہ پر ہم حرم شریف کے اس واقعہ کو بھی نہیں بھول سکتے جو صدی کے آغاز سے کچھ قبل پیش آیا۔ یہ ایک افسوسناک جرأت تھی جس میں نام نہاد مسلمانوں کی ایک جماعت کو آلۂ کار بنایا گیا تاکہ بیت اللہ کی اس عظمت و حرمت کو مٹا دیں جس سے ساری دنیا کے مسلمانوں کو ایک غیر معمولی جذباتی لگاؤ ہے اور جو سارے عالم اسلام کے لئے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس طرح یہ ناپاک سازش ابرہہ کے حملے سے کسی طرح کم نہ تھی لیکن اسے بھی اسی بدترین ناکامی سے دوچار ہونا پڑا، جس سے ابرہہ دوچار ہوا تھا۔

ان گھناؤنی سازشوں اور اسلام دشمنی کا سلسلہ اس ناکامی پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ اس کا دائرۂ کار وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور اس کے کارندے ہمیشہ مسلمانوں کے استیصال اور اسلام کی بیخ کنی کے لئے نت نئی سازشوں میں مصروف ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج پورا عالم اسلام شدید ہیجان اور خلفشار میں مبتلا ہے۔ امت مسلمہ کو ان کے روحانی اقدار کے ساتھ ساتھ مادی وسائل کے ذخائر سے محروم کرنے کی یہ تخریبی کارروائیاں روز افزوں ترقی پر ہیں۔ پٹرول اور تیل پیدا کرنے والے اسلامی ممالک جب سے اقتصادی میدان میں آگے بڑھے ہیں تب ہی سے غیر اسلامی طاقتوں کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ ان ممالک پر قبضہ کر لیں اور ان کے مال و ثروت اور ذخائر دولت اور وسائل کو اپنے زیر دست کر لیں۔ ان کی برابر یہ کوشش رہی ہے کہ ان ممالک کا رشتۂ اسلام سے کمزور کر دیا جائے تاکہ وہ ایمانی قوت مضمحل ہو جائے جو باطل کے لئے ہمیشہ ایک چیلنج رہی ہے اور جس سے اسلامی اجتماعیت، اخوت اور وحدت کا سرچشمہ ابلتا ہے، لیکن صد افسوس! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ممالک ان سازشوں سے بالکل بے خبر ہیں۔

اگر یہ اسلام دشمن طاقتیں اپنی سازشوں میں کامیاب نہ ہوئی ہوتیں تو عالم اسلام اس قدر فکری اضطراب اور اجتماعی و سیاسی ہلچل کا شکار نہ ہوتا اور نہ ہی قومی سطح پر انتہا پسند حکام اور عوام کے درمیان کسی تصادم و بغاوت کا وجود ہوتا اور نہ عوام کو ان باغی حکام کا تختہ الٹ دینے کے لئے صف آرا ہونا پڑتا۔ یہ اور ایسے ہی بہت سے واقعات ہیں جنھوں نے ہماری قوت و فکر کو پامال کیا ہے اور ہماری صلاحیتوں اور طاقتوں کو غلط رخ پر ڈال دیا ہے۔ اس سے کئی گنا زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ امت مسلمہ جسے دنیا کی امامت اور پورے عالم انسانی کی قیادت کے لئے پیدا کیا گیا اور اُسے افضل الامم کا خطاب دیا گیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہم ذمہ داری سپرد کی گئی اور فرد و معاشرہ کی اصلاح و بہبود کا کام سونپا گیا۔ وہ امت بھی اگر حالات کے دھارے میں بہہ جائے اور اس مادی زندگی کے تقاضوں میں کھو جائے تو یہ اس کے منصب و مقام سے گری ہوئی بات ہے۔ تاہم اسلام نہ یہ سکھاتا ہے کہ دنیا کی عیش و عشرت کو مقصد حیات بنا لیا جائے اور نہ یہ سکھاتا ہے کہ بالکل رہبانیت کی زندگی اختیار کر لی جائے۔ بلکہ اسلام کا تصور اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ جد و جہد کی زندگی پر ابھارتا ہے اور تجارت و کسب معاش کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسلام اس کی کبھی اجازت نہیں دیتا کہ ایک مسلمان کسب معاش میں حد سے بڑھ جائے اور ذخیرہ اندوزی کو اپنا شعار بنائے بلکہ وہ ہر چیز میں میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے، وہ دینی امور میں بھی توازن قائم رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام بخل و لالچ اور حرص و طمع کی مذمت کرتا ہے وہ مسلمانوں کو تمام تر معاملات میں معتدل و متوازن دیکھنا چاہتا ہے خواہ وہ معاملات دینی امور سے متعلق ہوں یا دنیوی امور سے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہلو کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ ارشاد ہے:

"خیر الامور اوسطہا"

اس لئے امت مسلمہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے اہم موقعہ پر جب کہ نئی صدی ہجری کا استقبال کر رہی ہے جو کہ تاریخ کا ایک غیر معمولی موڑ ہے اور جسے کسی دوسرے واقعہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اس صدی سے بہت سی نئی امیدیں بھی وابستہ کر رہی ہے۔ نیز وہ انسانی معاشرہ میں نئی روح اور نئی زندگی پیدا کرنے کی داعی بھی ہے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے رسولؐ کی ہجرت اور سیرت کا از سر نو مطالعہ کرے اور زندگی کے نئے نقطۂ نگاہ اور اُن حالات کی روشنی میں مطالعہ کرے جن سے آج عالم اسلام دوچار ہے اور ان مشکلات و مسائل کو سامنے رکھ کر سیرت رسول کا بغور مطالعہ کرے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی گم شدہ دولت کو پالے اور انسانی نسلوں اور قوموں کی اندرونی کشمکش کا ازالہ کر سکے۔

عہد حاضر جس پریشان حالی اور اضطراب سے دوچار ہے وہ اسلام سے قبل کے جاہلی دور سے مختلف نہیں جس طرح جاہلیت کے ادیان اور اہل دین انسان کو اس تاریکی سے نہ نکال سکے اسی طرح آج بھی موجودہ فلسفے اور نظریات عالم انسانی کو اس تاریکی سے نجات نہیں دلا سکتے۔ اور نہ ہی دنیا کو یہ فلسفے و نظریات امن و سلامتی کا گہوارہ بنا سکتے ہیں اور نہ اسے سعادت و خوشحالی سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔ جہاں تک موجودہ علوم و صنعت اور ایجادات و انکشافات کا تعلق ہے تو یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو انسان کو کامیاب بنا سکے۔ موجودہ دور میں علوم و فنون کی ترقی اور ایجادات سے زمان و مکان کے فاصلہ کو کم کیا جا سکتا ہے مگر اس سے انسانیت کے غم کا مداوا نہیں ہو سکتا۔

موجودہ نازک حالات جن سے پورا عالم دوچار ہے اسلامی نظام کے احیاء کے لئے واقعہ ہجرت ایک مشعل ہدایت کا کام دے سکتا ہے۔ حضورؐ اور آپ کے صحابہؓ کو اس راہ میں کس طرح دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑا اور کتنے ہی مصائب و آلام سے دوچار ہوئے لیکن آپ نے صبر و تحمل سے ان حالات کا مقابلہ کیا اور صداقت و حقانیت کی ایسی چٹان بن گئے جسے ناسازگار حالات کا کوئی جھونکا اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکا تو پھر دنیا کی نظروں نے دیکھا کہ وہی مظلوم اور کمزور افراد جن کی اس وقت کوئی حیثیت نہ تھی ایک مختصر مدت کے بعد دنیا کی اُن عظیم طاقتوں میں سے ہو گئے جن کے سامنے قیصر و کسریٰ بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مسلمانوں کے لئے بہترین اسوہ و نمونہ ہے جس میں دین و دنیا کی سعادت اور ان لوگوں کے لئے بہترین مثال ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی اور فلاح کے متمنی ہوں۔ الغرض سیرت نبوی انسانی زندگی کے لئے ایک مکمل نظریۂ حیات ہے کوئی معلم ہو یا تاجر، مجاہد ہو یا سوار، قوم، باپ بیٹے ہوں یا شوہر و بیوی، مبلغ و داعی ہو یا تاجر و کسان سب کے لئے حیات نبیؐ ایک کامل نمونہ ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنۃ۔

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

نیوکلیائی ہتھیار

ہلاکت اور بربادی کے عفریت

سعید تابش

اقوام متحدہ کی ایک مطالعاتی رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا میں نیوکلیائی ہتھیاروں کی تعداد چالیس اور پچاس ہزار کے درمیان ہے جنکی مجموعی تباہ کن طاقت ہیروشیما پر گرائے جانے والے بم سے دس لاکھ گنا زیادہ ہے۔ سائنسی اصطلاح میں تیرہ ارب ٹی۔ این۔ ٹی کے برابر یعنی روئے زمین پر بسنے والے ہر مرد، عورت اور بچے کے لئے فی کس تین ٹن ٹی۔ این۔ ٹی سے بھی زیادہ۔ ان کی ہلاکت خیزی کا تصور بھی ہولناک ہے۔

حالیہ اعداد وشمار کے بموجب دنیا ان ہتھیاروں کی تیاری پر سالانہ پانچسو ارب ڈالر خرچ کر رہی ہے یعنی فی منٹ دس لاکھ ڈالر۔ ماہرین کی جس جماعت نے اقوام متحدہ کی زیر نگرانی یہ مطالعہ کیا اُن کی رپورٹ کے مطابق ان ہتھیاروں کی تعداد اور بالکل صحیح نشانے پر ان کی ضرب لگانے کی صلاحیت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور بڑی طاقتوں کے دوسروں پر برتری حاصل کرنے کے جذبے نے جنون کی شکل اختیار کر لی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اگر کبھی ان نیوکلیائی ہتھیاروں کا کسی جنگ میں استعمال کیا گیا تو یہ معمورۂ عالم قیامت کا منظر پیش کرے گا اور لہلہاتے ہوئے کھیت، سرسبز مرغزار اور پُر بہار چمن ویرانوں میں تبدیل ہو جائیں گے اور زندگی کے چہچہوں سے گونجتی ہوئی انسانی بستیاں کھنڈر بن جائیں گی۔

رپورٹ میں خبردار کیا گیا ہے کہ کسی بھی نیوکلیائی جنگ میں سب سے زیادہ تباہی اور اتلاف جان سے وہ ممالک دوچار ہونگے جو ان ہتھیاروں کی تیاری میں مصروف ہیں۔ کوئی بھی انسانی آبادی ہولناک جسمانی نتائج سے نہ بچ سکے گی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد بھی برسوں تک تابکار ذرات گرتے رہیں گے۔ ان سے وہ علاقے خاص طور سے بُری طرح متاثر ہوں گے جو جارح ممالک کے اردگرد واقع ہوں گے۔ تباہی پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیگی۔ لاکھوں انسان لقمۂ اجل بن جائیں گے اور موجودہ نسلیں ہی نہیں آنے والی نسلیں بھی اس جنگ کا خمیازہ بھگتتی رہیں گی۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ نسل انسانی کو اپنے نیست ونابود ہونے کا جو حقیقی خطرہ اس وقت درپیش ہے تاریخ عالم کے کسی دور میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

روس اور امریکہ کے پاس جو دنیا کی سب سے بڑی نیوکلیائی طاقتیں ہیں ان ہتھیاروں کا ذخیرہ سب سے زیادہ ہے۔ ان کے مقابلے میں چین، برطانیہ اور فرانس کی نیوکلیائی طاقت کم ہے لیکن ان کے پاس بھی نیوکلیائی ہتھیاروں کا جو ذخیرہ ہے وہ بڑی تباہی پھیلا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ ۲۰ سے ۲۵ ممالک جو اس وقت غیر نیوکلیائی ہیں ایسے ہیں جو نیوکلیائی ہتھیار بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

رپورٹ کے مطابق کسی بھی ملک کو ابتدائی نیوکلیائی طاقت کا حامل بننے کے لئے ایسے مسالے کی بہت زیادہ حاجت نہیں ہوگی جو اپنے اندر زبردست انشقاقی قوت رکھتا ہو۔ اگر کسی ملک کے پاس بارہ نیوکلیائی ہتھیار بھی ہوں تو وہ ۲۰ کلوٹن کے تین تین ہتھیاروں سے چار بڑے شہروں کو تباہ کر سکتا ہے اور اگر وہ صرف ایک ہتھیار کا استعمال کرے تو ۱۲ شہروں کو نشانہ بنا سکتا ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دنیا کے امن وتحفظ کے لئے نیوکلیائی ہتھیار سب سے بڑا خطرہ ہیں۔ موجودہ حالات میں اس کا پورا پورا امکان ہے کہ خود نیوکلیائی نظام کی کسی خرابی سے کوئی بھیانک حادثہ ہو جائے یا نیوکلیائی جنگ کا آغاز ہو جائے۔ جنگ کا خطرہ سب سے زیادہ اس وقت ہوگا جب شدید کشاکش اور تناؤ کا ماحول ہو یا کوئی ملک خود حفاظتی کے خیال سے اچانک دوسرے ملک پر حملہ کر دے یا مروجہ ہتھیاروں سے لڑی جانے والی جنگ بڑھ کر نیوکلیائی ہتھیاروں کے استعمال تک پہنچ جائے۔ کسی بھی انسانی غلطی یا تکنیکی خرابی سے بھی نیوکلیائی جنگ شروع ہو سکتی ہے جس کا ثبوت ماضی کے چند واقعات سے ملتا ہے جب خطرے کا غلط الارم دے دیا گیا یا کمپیوٹر صحیح طریقے سے کام نہ کر سکا۔ دیر یا سویر ان فروگذاشتوں کے نتیجے میں اصلی دھماکہ ہو سکتا ہے۔ ایسی غلطی کے نتائج انتہائی سنگین ہونگے اور غلطی کے امکانات کتنے ہیں یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ افق حیات پر تباہی کے بادل منڈلا رہے ہیں اور امن عالم کو نگلنے کے لئے نیوکلیائی دیو اپنا بھیانک منہ کھولے کھڑا ہے۔

بقیہ اداریہ : صفحہ ۳

فتح حاصل ہوئی۔"

اس خط اور واقعہ کے آئینہ میں ہم اپنا جائزہ لیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہم خدا کی مدد صرف اس بنیاد پر چاہتے ہیں کہ کلمہ پڑھ لیا ہے مسلمان کہلاتے ہیں، ہماری صفات کیا ہیں اس پر نظر نہیں جاتی اُلٹے شکوہ کرتے ہیں کہ ہم پر نظر کرم نہیں ہے، ہم مظلوم و بے سہارا ہیں۔

اقبال مرحوم نے مسلمانوں کی اسی ذہنیت کو سامنے رکھ کر شکوہ لکھا تھا، اور جب تک جواب شکوہ نہیں لکھ دیا شکوک نگاہوں سے دیکھے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ اس پر ہے کہ ہم خدا کے مطیع و فرمانبردار رہیں، اللہ کی ذات غنی و بے نیاز ہے اس کا کسی سے رشتہ نہیں ہے، اس نے صاف فرما دیا ہے، "اِنْ تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت اقدامکم" (تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدم جمائے گا)۔

بس اب ہمارا ایک ہی کام رہ گیا ہے کہ دوسروں کی شکایت کریں، واویلا مچاتے رہیں کہ اسلام کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں اسلام کو مٹانے کے پلان بنائے جا رہے ہیں یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ جو اسلام کے ازلی دشمن ہیں ہم ان سے اسلام کی خیرخواہی کی توقع رکھیں یہ بڑے بھولے پن کی بات ہے، سچی بات یہ ہے کہ اسلام کو ان سازشوں سے زیادہ خود ہمارے اپنے ہاتھوں سے نقصان پہنچ رہا ہے، ہم نے خود اپنی صورت بگاڑ لی ہے، ہم نے دوسری قوموں کے سامنے اپنی اچھی تصویر نہیں پیش کی ہے، ورنہ وہ اسلام کے دامن میں پناہ لیتیں اور جب ہم نے اپنی صحیح تصویر پیش کی تھی تو ملک کے ملک دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے تھے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم شکوہ شکایت کم کریں اور اپنی بگڑی ہوئی تصویر کو درست کریں اگر ہم ایسا کر لیتے ہیں تو ہمیں اپنا کھویا ہوا مقام پھر مل جائے گا اور ہم اللہ کے لشکر میں شامل ہو جائیں گے اور اللہ کے لشکر کو کوئی سازش نہیں نقصان پہنچا سکتی۔ یہ حقیقت کتنی تلخ ہے کہ ہوا و ہوس نے امت مسلمہ کے دامن کو تار تار کر دیا ہے۔ عوام نہیں خواص کا یہ حال ہو گیا ہے کہ معمولی معمولی باتوں پر اس طرح باہم دگر دست وگریباں ہوتے ہیں کہ اللہ اکبر! اور اس کی تہہ میں جایا جائے تو جاہ طلبی اور انفرادیت پسندی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

ہماری آج کی دنیا اپنی ساری رونق وحیرت انگیز ترقی کے باوجود جس نازک دور سے گذر رہی ہے اور قافلۂ انسانیت جس تیزی کے ساتھ ہلاکت و بربادی کی طرف بڑھ رہا ہے وہ کسی بھی پڑھے لکھے اور دنیا کی سیاست پر نظر رکھنے والے شخص پر مخفی نہیں اس موضوع پر لکھا بھی جا رہا اور ان خطرات کی نشاندہی بھی کی جا رہی ہے اگر ہم بھی اس میں شریک ہو جاتے ہیں تو اس سے کسی تغیر و تبدیلی کی توقع کرنا شاید فعل عبث ہی ہوگا۔

ان نازک حالات میں مسلمانوں کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے مقام کو پہچانیں اور اپنے حالات میں تغیر پیدا کریں، مسلمانوں کے لئے دنیا میں نجات کا، عزت کا، اور حفاظت کا راستہ اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم خدا کے پیغمبروں کی تعلیمات پر چلیں اور اپنے اندر وہ صفات پیدا کریں جو ہمیں اللہ کے لشکر میں شامل کر دیں اور کامیابی کی خدائی ضمانت دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"اِن جندنا لھم الغالبون واِن جندنا لھم المنصورون"

بیشک ہمارا ہی لشکر غالب آنے والا ہے بیشک ہمارے ہی لشکر کی مدد کیجائے گی۔

ضیاء الحسن فاروقی

تاریخ دعوت وعزیمت

(حصۂ چہارم)

کتاب کے اس چوتھے حصہ میں جو اس مطالعہ کا موضوع ہے، مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (۹۷۱ - ۱۰۳۴ھ) کے مفصل سوانح حیات، ان کا عہد اور ماحول، ان کے عظیم تجدیدی وانقلابی کارنامے کی اصل نوعیت کا بیان اور ان کا اور ان کے سلسلے کے مشائخ کا اپنی اور بعد کی صدیوں پر گہرے اثر اور انکی اصلاحی وتربیتی خدمات کا ذکر ہے۔ چودہویں صدی ہجری کے اختتام پر، جو گذشتہ دو برس سے ان گنت سیمناروں، کانفرنسوں، تقریبوں اور گوناگوں تصنیفی وتالیفی سرگرمیوں کا موضوع بنی ہوئی ہے، اپنے انگریزی اور عربی اڈیشن کے ساتھ، مولانا علی میاں کی یہ گراں قدر اور ایمان پرور تصنیف ایک ایسا مہتم بالشان تحفہ ہے جو انھیں جیسا عالم ربانی نہ صرف ملت اسلامیۂ ہند کو بلکہ پوری ملت اسلامیہ عالم کو دے سکتا تھا۔ میں مولانائے موصوف کی خدمت میں اس کے لئے اپنا جذبۂ منت گزاری اور پُرخلوص مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ایک حرف کی تبدیلی کے ساتھ علامہ اقبال کا یہ شعر مصنف اور اس کی اس تصنیف دونوں پر صادق آتا ہے ؎

> سپاہ تازہ برانگیزد[1] از ولایت عشق
> کہ در حرم خطرے از بغاوت خرد است

ایک طرف تو یہ حقیقت ہے کہ زندگی متحرک اور تغیر پذیر ہے اور دوسری طرف قرآن کا یہ اعلان کہ اسلام خدا کا آخری پیغام ہے اور کامل اور مکمل طور پر دنیا کے سامنے آچکا ہے۔ بمصنف کے الفاظ میں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:۔

"اس رواں دواں اور سدا جواں زندگی کا ساتھ دینے اور اس کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخری طور پر جس دین کو بھیجا ہے اس کی بنیاد اگرچہ ابدی عقائد وحقائق پر ہے، مگر وہ زندگی سے پُر ہے اور حرکت اس کی رگ وپے میں بھری ہوئی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ہر حال میں دنیا کی رہنمائی کر سکے اور ہر منزل میں تغیر پذیر انسانیت کا ساتھ دے سکے۔ وہ کسی خاص عہد کی تہذیب یا کسی خاص دور کا فن تعمیر نہیں ہے جو اس دور کی یادگاروں کے اندر محفوظ ہو اور اپنی زندگی کھو چکا ہو، بلکہ ایک زندہ دین ہے جو علیم وحکیم صانع کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے۔ . . . یہ دین چونکہ آخری اور عالمگیر دین ہے اور یہ امت آخری اور عالمگیر امت ہے، اس لئے یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ دنیا کے مختلف انسانوں اور مختلف زمانوں سے اس امت کا واسطہ رہے گا اور ایسی کشمکش کا اس کو مقابلہ کرنا ہوگا جو کسی دوسری امت کو دنیا کی تاریخ میں پیش نہیں آئی، اس امت کو جو زمانہ دیا گیا ہے وہ سب سے زیادہ پُراز تغیرات اور پُراز انقلابات ہے اور اس کے حالات میں جتنا تنوع ہے وہ تاریخ کے کسی گذشتہ دور میں نظر نہیں آتا۔"

(تاریخ دعوت وعزیمت حصہ اول ص۱۴-۱۸)

جب ہر لحہ بدلتی دنیا میں دین اسلام کا یہ مقام ٹھہرا تو پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کی گود میں ایسی شخصیتیں پروان چڑھتی رہیں جو ایسے وقت میں کہ جب اس کے وجود کے لئے کوئی خطرہ پیدا ہو اور بدعات ومکروہات کے گرد وغبار اس کے چہرے پر چھا جائیں، تو شخصیتیں اس کی نکھری ہوئی شکل میں اسے پیش کرکے اس کی تجدید کر دیں اور دنیا کو یہ بتا دیں کہ اصل دین اسلام یہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ راہ دعوت وعزیمت کی راہ ہوگی جو آزمائشوں سے گھری ہوئی ہوگی ایسی شخصیتیں ان آزمائشوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اپنی دعوت کے کام کی اشاعت کرتی ہیں۔ اپنے اس کام میں وہ دار وگیر، قید وبند اور سب وشتم غرض ہر صورت حال کے استقبال کے لئے تیار رہتی ہیں اور اپنی پوری ایمانی قوت اخلاقی صلاحیت اور علمی وعملی استعداد اس راہ میں کھپا دیتی ہیں۔ ایسی ہی ایک شخصیت شیخ احمد سرہندیؒ کی تھی جس نے ایک گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر وہ عظیم الشان کام انجام دیا جو بڑے سے بڑا حکمراں بھی انجام نہیں دے سکتا تھا۔ اس شخصیت نے "روحانی تزکیہ وتربیت کا وہ کام انجام دیا جس کے نتیجہ میں وہ مردان کار تیار ہوئے جنھوں نے ہندوستان کے مختلف مرکزی مقامات میں بیٹھ کر اور پھر افغانستان وترکستان اور پھر عراق وشام وترکی وحجاز میں پھیل کر یاد خدا کی سرگرمی، اعلاء کلمۃ اللہ کی کوشش، مردہ سنتوں کے احیاء، حمایت شریعت واماتت بدعت کا عظیم الشان کام انجام دیا، وحدۃ الوجود کے غالی داعیوں اور آزاد مشرب صوفیوں کے اثرات کا ازالہ کیا اور مختصر" اخداطلبی اور احترام شریعت کا صور پھونک دیا اور کم سے کم تین صدیوں تک اس کام کو اس قوت وعزیمت اور اس انہماک ومصروفیت کے ساتھ جاری رکھا کہ پورے عالم اسلام میں ہر جگہ وہی نظر آتے ہیں اور یہ تین صدیاں انھیں کی روحانی وعلمی قیادت کی صدیاں کہلانے کی مستحق ہیں۔"

(تاریخ دعوت وعزیمت حصہ چہارم ص۲)

شیخ احمد سرہندیؒ پر پچھلے ۲۵-۳۰ سال کے عرصہ میں اس ملک میں اور اس ملک کے باہر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا بیشتر حصہ یا تو کسی سیاسی مقصد کے پیش نظر لکھا گیا ہے، یا کسی مخصوص نظریۂ تاریخ کے آئینہ میں شیخ کی دینی شخصیت اور ان کے اصلاحی کاموں کو دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بعض اہل قلم ایسے بھی ہیں جنھوں نے شیخ احمدؒ کی تمام تحریروں کو پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی، بعض نے ثانوی حیثیت کے ماخذ کے جستہ جستہ ٹکڑوں کو دیکھ کر ایک رائے قائم کرلی۔ بعض ایسے بھی ہیں جو ان علوم و معارف سے براہ راست واقفیت نہیں رکھتے تھے جن کے سیاق وسباق یا جن سے متعلق شیخ نے اپنی تحریروں میں مختلف مباحث پر اظہار خیال کیا ہے۔ ہاں! اور ایسے لکھنے والے بھی ہیں جنھوں نے محض عقیدت سے شیخ کی شخصیت کو دیکھا اور علمی وتحروضی نقطۂ نظر سے ان کے مجددانہ کارناموں کا مطالعہ نہیں کیا۔

ہمارا خیال ہے کہ مولانا علی میاں صاحب کی اس تصنیف میں اس قسم کی افراط وتفریط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ شیخ احمد سرہندیؒ سے مصنف کو گہری عقیدت ہے، لیکن بجائے خود یہ کوئی ایسی معیوب بات نہیں، اگر ان پر لکھنے والا خالص علمی نقطۂ نظر سے ان کی سوانح اور کارناموں کا جائزہ لے۔ مصنف علام نے "عرض مدعا" کے تحت کتاب کے شروع میں (صفحات ۲۱-۲۲) اس پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"اس سلسلے میں دو اور پہلو بھی قابل لحاظ تھے، ایک تو یہ کہ مجدد صاحب کے عہد کی تصویر کشی اور دور اکبری کا نقشہ پیش کرنے کے سلسلے میں ملا عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ" اور ان تاریخی ماخذ پر انحصار نہ رکھا جائے جو خاص دینی جذبات یا ایک خاص نقطۂ نظر کے حامل اور عہد اکبری کی تاریک سے تاریک تصویر پیش کرنے کے عادی ہیں، اس سلسلے میں ان غیر جانبدار مصنفین یا دربار اکبری کے ان اہل قلم کی تحریر وبیانات سے مواد حاصل کیا جائے جو نہ صرف یہ کہ اکبر کے مخالف نہ تھے، بلکہ اس کے وکیل ونقیب اور اس کے خیالات و مقاصد کے ترجمان اور اس کے آئین سلطنت اور اس کے خدا داد کمالات کے معترف تھے۔ اسی طرح ان تبدیلیوں کا بھی مؤرخانہ ومبصرانہ جائزہ لیا جائے جو جہانگیر کے دور سے شروع ہو کر عالمگیر کے عہد سلطنت پر جاکر مکمل ہوئیں اور اس سلسلے میں بھی خاندان مجددیہ کے مصنفین کے بیانات اور خوش اعتقاد مؤرخوں کی شہادتوں کے بجائے غیر جانبدار مؤرخین [illegible] کی کتابوں سے مواد [illegible] [illegible] کی بھی ضرورت تھی

کہ اس دور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سلسلات کو صحیح [illegible] سوانحات [illegible] ومعلومات [illegible]

کی مدد سے بالکل ایک نئی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے (جو اس تاریک اور درخشاں تصویر سے بہت مختلف ہے، جو ابھی تک پیش کی جاتی رہی ہے) اس کو بھی سامنے رکھا جائے ......"

زیر نظر کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے :-

(۱) عالم اسلام دسویں صدی ہجری میں۔ (۲) اکبری عہد حکومت اور اس کے دو متضاد دور (۳) حضرت مجدد الف ثانیؒ - حالات زندگی از ولادت تا خلافت (۴) اہم واقعات وحالات، ارشاد و تربیت کی سرگرمی، وفات۔ (۵) حضرت مجدد کے دائرۂ "تجدید" کا مرکزی نقطہ، نبوت محمدی پر ایمان واعتماد کی تجدید۔ (۶) وحدت الوجود یا وحدت الشہود (۷) اکبر سے جہانگیر تک، سلطنت کو راہ پر لانے کے لئے آپ کی خاموش جدوجہد (۸) حضرت مجدد کے دو خلفائے کبار اور ان کے منتسبین کے ذریعہ آپ کے تجدیدی کام کی توسیع وتکمیل۔ پوری کتاب مع مفصل اشاریہ ۴۳۶ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ طباعت وکتابت عمدہ آفسیٹ کی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ اس کی ناشر اور قیمت ۲۳ روپے ہے۔

کتاب میں حضرت مجددؒ کی شخصیت اور ان کے تجدیدی واصلاحی کام کو دسویں صدی ہجری کے عالم اسلام کی سیاسی، علمی، مذہبی اور روحانی حالت، اس صدی کی عام ذہنی بے چینی اور اعتقادی انتشار خیال اور اس کے اسباب کے پس منظر میں پیش کیا گیا ہے۔ اور یہ بات صحیح ہے کہ اگر اس پس منظر کو سامنے نہ رکھا جائے اور اس کا تجزیہ شیخ احمد سرہندیؒ کے کام کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے نہ کیا جائے تو ہمیں ان کی تجدیدی واصلاحی سرگرمیوں کی قدر وقیمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا، ہمارا خیال ہے کہ اس دور میں ان کی زندگی اور ان کے کام کا مطالعہ کرنے والے بعض جدید تعلیم یافتہ اہل قلم اور محققین نے اس راہ میں اسی وجہ سے ٹھوکر کھائی ہے کہ ان کی نظر دسویں صدی ہجری کے عالم اسلام کی علمی، مذہبی اور روحانی و اخلاقی حالت پر گہری نہ تھی اور انھوں نے اس صدی کے تاریخی وتحقیقی مطالعہ کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔ ہماری رائے میں مصنف کی علمی بصیرت نے ان کی اس کمی اور کمزوری کو صحیح

صحیح سمجھا ہے اور اس کتاب کا باب اول لکھ کر مولانا نے شیخ سرہندی کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے ایک متوازن اور ہموار لائحۂ فکر فراہم کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

"اس جائزہ میں ہم کو اس تاریخی حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ ایک عہد کی دنیا اور انسانی معاشرہ ایک بہتے ہوئے دریا کی طرح ہوتا ہے، جس کی ہر موج دوسری موج سے مربوط ومتصل ہوتی ہے، اس لئے کوئی ملک خواہ وہ باقی دنیا سے کتنا ہی کٹا ہوا اور الگ تھلگ زندگی گذار رہا ہو گرد وپیش کی دنیا میں پیش آنے والے اہم واقعات، انقلابات، باہم نبرد آزما طاقتوں اور طاقتور تحریکوں سے یکسر غیر متاثر اور غیر متعلق نہیں رہ سکتا۔ خاص طور پر جب یہ واقعات وانقلابات اس کے ہم جنس ہم مسلک اور ہم عقیدہ پڑوسی ممالک میں پیش آرہے ہوں۔ اس بنا پر اس تاریخی جائزہ میں ہندوستان کے اندر محدود رہنا درست نہیں ہوگا۔ ہم کو دسویں صدی ہجری کی پوری دنیائے اسلام اور خاص طور پر گرد وپیش کے مسلم ممالک پر بھی نظر ڈالنی ہوگی جن سے اگرچہ ہندوستان کے سیاسی روابط نہ تھے، لیکن دینی، تہذیبی اور علمی روابط تھے اور وہاں جو سرد وگرم ہوائیں چلتی تھیں ان کے جھونکے بُعد مسافت کے باوجود ہندوستان تک بھی پہونچ جاتے تھے" (صفحہ ۴۴)

شیخ سرہندیؒ کے وہ ناقدین جو مذہب سے بیگانہ ہیں یا مذہب کو فرد کا ایک ایسا نجی معاملہ سمجھتے ہیں کہ جیسے چاہے اپنی صوابدید سے اسے برتے اور اپنی سماجی زندگی پر اپنے مذہبی معتقدات کا کوئی اثر نہ پڑنے دے، یہ لوگ درحقیقت دین اسلام کے مزاج سے واقف نہیں ہیں اور اس کے خدائی تقاضوں کی اہمیت کا احساس نہیں رکھتے۔ یہ لوگ دراصل تاریخ اسلام کی اسی دینی روایت کے تسلسل سے بے خبر یا اس کے مخالف ہیں جو کتاب وسنت کو زندہ وتابندہ رکھنے کی سعی مسلسل سے عبارت ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی تنقید وتبصرہ کا فریم ورک ہی دوسرا ہوگا اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس

سلسلے میں ان کی رائے کی کوئی علمی اساس نہیں اور اس موضوع پر ان کی تاریخ نویسی کی کوشش محض سطحی اور غیر معتبر ہے۔ یہ بات ہم اس لئے بھی کہہ رہے ہیں کہ عام طور پر ناقدین کے اس طبقہ کے پیش نظر صرف چند ایسے ماخذ رہے ہیں جو مشہور ومعروف ہیں اور کتب خانوں میں آسانی سے مل جاتے ہیں۔ بعضوں کے یہاں تو یہ صورت بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ ان سے پہلے اپنی فہم اور اپنے محدود وسائل کی بنیاد پر کسی نے ایک رائے کا اظہار کیا اور انھوں نے اسی کو آمنّا وصدّقنا کہہ کر دُہرا دیا، اس کی بھی زحمت نہیں کی گئی کہ اُن ماخذ اور وسائل کو از سرِ نو جانچ لیا جائے جن کی بنیاد پر پہلی رائے قائم کی گئی تھی۔ ایسی تحریریں جو اصطلاحی معنوں میں تاریخی ماخذ کے خانے میں نہیں رکھی جاتیں، قابل اعتنا نہیں سمجھی گئیں، حالانکہ علمی وتاریخی لحاظ سے اُن کی اہمیت وافادیت مسلم ہے۔

دوسری طرف حضرت مجدد کے وہ ناقدین ہیں جو بدعات ومکروہات اور تحریفات وتاویلات کے بوجھ تلے دبے رہے ہیں اور اس معاملہ میں بھی وہ تقلید کو جزو ایمان تصور کرتے ہیں۔ شریعت وطریقت، دونوں حلقوں میں ایسے لوگ ملتے ہیں، یہ لوگ تاریخ میں اس رجحان اور روایت کی ترجمانی اور نمایندگی کرتے ہیں جو ارباب رخصت کے موقف اور مطمح نظر سے عبارت رہی ہے جبکہ ارباب عزیمت کی راہ ان سے ہمیشہ مختلف ومتضاد رہی ہے۔ یہ ارباب دعوت وعزیمت جہاں تک کہ اسلام کا تعلق ہے، تائید غیبی کے ساتھ اس کی تاریخ کے ہر نازک مرحلے پر سامنے آئے اور انھوں نے دین کو تازہ اور امت مسلمہ کو سرگرم عمل رکھا۔

علی میاں صاحب نے اس کتاب میں 'دسویں صدی کا فتنۂ کبریٰ' کے عنوان کے تحت (صفحات ۶۹ - ۶۱) جو کچھ لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس صدی میں بعض طباع اور طالع آزما اشخاص نے دنیائے اسلام کے ایک بڑے حصہ کو اس مغالطہ میں مبتلا کر دیا تھا کہ "الف ثانی" سے ایک نئے نظام کا آغاز ہوگا۔ "ظہور اسلام کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ایک ہزار سال پورے ہو رہے تھے اور دوسرا ہزار شروع ہونے کو جا رہا تھا، ہر صدی کے سرے پر مجدد کا ظاہر ہونا، حدیث سے ثابت ہوتا ہے اور تاریخ بھی اس کا ثبوت

فراہم کرتی ہے، اس لئے بعض ذہین لوگ دوسرے ہزار سال کے شروع ہونے پر مجدد سے زیادہ دین جدید کے موسس اور عالم کے نئے دور کے فاتح کے ظہور کے خواب دیکھنے لگے تھے اور ان میں بہت سے منچلے لوگوں نے اپنا نام اس منصب کے امیدواروں کی فہرست میں لکھانے کی کوشش بھی شروع کردی تھی ...... اگر دسویں صدی کے عالم اسلام کی کوئی فکری تاریخ ہوتی تو ہمیں صاف نظر آتا کہ 'الف ثانی' کے قرب نے کتنے دلوں میں تمنائے خام کے چراغ روشن کر دئے تھے، اور انھوں نے ایک نئی مسند پیشوائی اور ایک نئی سیادت وقیادت کا خیمہ نصب کرنے کے لئے چوب اور طنابیں مہیا کرنی شروع کر دی تھیں" مصنف نے اس عبارت کے لکھنے کے بعد ایران کی فکری حالت کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا ہے اور پھر لکھا ہے کہ "ایسی حالت میں نویں اور دسویں صدی کے ایران میں انتشار انگیز تحریکوں اور اسلام کے خلاف عقلی وفلسفی سازشوں کا پیدا ہونا خلاف قیاس اور خلاف توقع نہیں، جس کی سب سے ترقی یافتہ مثال نویں صدی کے اخیر اور دسویں صدی کے ابتدا کی نقطوی تحریک ہے، جو ایران کی اُسی بے چین روح کا بہترین مظہر ہے جس نے کبھی مزدک کی شکل میں، کبھی مانی کے روپ میں، اور کبھی حسن بن صباح کے لباس میں ظہور کیا تھا، اور جو خالص ایک ملحدانہ تحریک ہے"۔

اس سلسلے میں مصنف نے جن کتابوں اور تحریروں کے حوالے دئے ہیں، وہ عام طور پر حضرت مجدد کے ناقدین کے سامنے نہیں رہے یا پھر انھوں نے ان کتابوں اور تحریروں کو جانبدارانہ تاریخ نگاری کے حق میں مضر سمجھا اور جان بوجھ کر ان سے صرف نظر کر گئے۔ مصنف نے کتاب کے اس حصہ کے لئے جن کتابوں اور تحریروں سے استفادہ کیا ہے، ان میں تاریخ عالم آرائے عباسی (مصنفہ اسکندر منشی)، ماثر الامراء، دبستان مذاہب، نقطویان یا پسیخوانیان (مصنفہ ڈاکٹر صادق کیا)، تاریخی وادبی مطالعے (مصنفہ ڈاکٹر نذیر احمد) اور مبلغ الرجال (مصنفہ خواجہ عبید اللہ معروف بہ خواجہ کلاں، نسخۂ قلمی، مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) بھی شامل ہیں اور ان میں بعض کتابیں ایسی ہیں جن سے ہمارے

خیال میں حضرت مجدد کے اکثر ناقدین نے استفادہ نہیں کیا ہوگا۔ تاریخ عالم آرائے عباسی اور مبلغ الرجال کا حوالہ دیتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ "ابو الفضل علامی کے متعلق بعض معاصر تاریخ نویسوں کا بیان ہے کہ وہ نقطوی تحریک سے متاثر تھا، شاہ عباس صفوی نے نصر آباد کاشان میں ممتاز ترین نقطوی داعی اور ذمہ دار میر سید احمد کاشی کو جب قتل کیا تو اس کے کاغذات کے ذخیرے میں جن نقطویوں کے خطوط ملے ان میں ابو الفضل کا بھی ایک خط تھا، معاصر تاریخ نویس اسکندر منشی "تاریخ عالم آرائے عباسی" میں لکھتا ہے: "ہندوستان سے آنے جانے والوں سے معلوم ہوا کہ ابو الفضل پسر شیخ مبارک بھی ...... اسی مذہب کا پیرو ہے، اس نے اکبر بادشاہ کو وسیع المشرب بنا کر جادۂ شریعت سے منحرف کر دیا ہے"، اس کا خط جو میر احمد کاشی کے نام لکھا گیا تھا اور جو میر مذکور کے کاغذات میں دستیاب ہوا، ابو الفضل کے نقطوی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ خواجہ کلاں اپنی کتاب "مبلغ الرجال" میں محمود پسیخوانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "شیخ ابو الفضل ناگوری بساط آں آئین خسارت قرین را در مملکت ہندوستان گسترد"۔ ان تاریخی شہادتوں کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ نقطوی فرقہ یا تحریک کے داعیوں اور علمبرداروں نے ہندوستان آکر الف ثانی کے لئے نئے دور، نئے دین اور نئے آئین کے لئے کس طرح ایک تخت اور مسند تیار کر رکھی تھی، جس پر مسند آرا ہونے کے لئے ایک با اختیار وطاقتور موزوں شخصیت درکار تھی اور اس کے لئے ان کی نظر میں اکبر سے زیادہ کوئی اہل نہ تھا"۔

حضرت مجدد کا اصل تجدیدی کارنامہ کیا تھا؟ اس کو بھرپور طور پر سمجھنے اور تاریخ اسلام کی دسویں، گیارہویں صدی کے بعد آنے والے دور میں اس کی قدر وقیمت کا صحیح صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس چوکھٹے میں اس کے خد وخال کا مطالعہ کیا جائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علماء سوء اور زاہدانِ دنیا دار نے اسلام کے چہرے کو جس طرح مسخ کر دیا تھا اور چہار طرف سے جیسی یلغار اسلام پر تھی اور اگر اکبر بادشاہ کی طرح (اس کی زندگی کے دوسرے دور میں) اس کے جانشین بھی حمیت دینی سے عاری ہوتے اور اس صورت حال کو بدل دینے کا عزم نے کر کوئی شخصیت کھڑی نہ ہوتی، تو اس کا قوی امکان تھا کہ اسلام کا حشر ہندوستان میں وہی ہوتا جو اس سے قبل اسپین میں ہو چکا تھا۔

حضرت مجدد کا کام تاریخ ساز اور عہد آفریں تھا، غیرت دینی سے سرشار مسلمان اس حقیقت کو مثبت انداز سے دیکھتے ہیں، اور وہ جو اسلام کو کتاب وسنت کے بجائے اپنے اپنے ضمیر کی روشنی میں دیکھتے اور اس سلسلے میں تاویلات وتحریفات سے کام لیتے ہیں یا وہ جو ہندوستان میں اسلام کی تاریخ کو خالص قومی اور سیکولر نقطۂ نظر سے لکھنا اور پڑھنا چاہتے ہیں اور اس لئے وہ ہندوستان میں اسلام کو عمومی و عالمی تاریخ اسلام سے الگ سمجھتے ہیں وہ اور اس فکر کے دوسرے لوگ، اس حقیقت کو منفی انداز سے دیکھتے ہیں، لیکن یہ دونوں گروہ بہرحال، ان کے تجدیدی کام کی تاریخ سازی وعہد آفرینی سے انکار نہیں کر سکتے۔

کتاب کے مصنف نے بڑی خوش سلیقگی سے اپنے گہرے اور تجزیاتی مطالعے کے ساتھ اس تاریخ ساز شخصیت کے تجدیدی کام اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور پھر اس کے گہرے اثرات کا جو آنے والی صدیوں پر پڑے، ذکر کیا ہے۔ نبوت محمدی پر ایمان واعتماد، غیبی وما بعد الطبیعی حقائق کے سلسلے میں عقل وکشف کا عجز، نبوت کا طور اور اس کا منصب، حکمۃ الاشراق کی کمزوریاں اور درماندگیاں، ولی اور نبی کا فرق، سنت کا احیاء اور "بدعت حسنہ" کی تردید، وحدت الوجود اور وحدۃ الشہود کے نظریوں کی باریکیاں اور ان کے مضرات واثرات، توحید وجودی کی نفی اور توحید شہودی کا اثبات، سلطنت وامارت کے فکر وعمل کو ایک نیا رُخ دینے اور راہ راست پر لانے کی جدوجہد۔ وقت کی مخصوص صورت حال میں تجدیدی کام کا صحیح طریقہ ـــــ یہ تمام بحثیں اپنے پورے سیاق وسباق کے ساتھ اس کتاب میں موجود ہیں، ہمارا خیال ہے کہ حضرت مجددؒ کی شخصیت، ان کے افکار، ان کے موقف اور تجدیدی کام اور اس کے طریقۂ کار پر ابھی تک اس سے بہتر اور کوئی اسٹڈی نہیں کی گئی ہے۔

کتاب میں طباعت کی غلطیاں برائے نام ہیں، اس میں ایک فروگذاشت یہ ہوگئی ہے کہ ماثر الامراء کے مصنف شاہنواز خاں کے ساتھ کہیں خافی خاں اور کہیں خوانی خاں لکھ دیا گیا ہے، شاہنواز خاں اور خافی خاں دو الگ شخصیتیں ہیں، یہ شاید اُن کے کسی اسسٹنٹ کی فروگذاشت ہے۔ ہم نے مصنف کی توجہ اس طرف دلائی اور انھوں نے اس پر حیرت اور افسوس کا اظہار کیا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کتاب کا اشاریہ بہت اچھی طرح اور تفصیل سے ترتیب دیا گیا ہے اور اس سے کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کو بہت مدد ملے گی۔

آخر میں ہم مصنف علام کو ایک بار پھر ان کی اس تصنیف پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ بلاشبہ ان کی یہ کتاب چودہویں صدی کے اختتام پر مسلمانان ہند ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے ایک گراں قدر تحفہ اور ایک حیات آفریں پیغام ہے اور یہی ایک بوریہ نشین لیکن قلب ونظر کی متاع بے بہا رکھنے والے صاحب قلم کی طرف سے پیش کیا جاسکتا تھا۔

حضور رسالتمآبؐ میں

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
قیودِ شام وسحر میں بسر تو کی لیکن
نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا
فرشتے بزمِ رسالتؐ میں لے گئے مجھ کو
حضورِ آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو
کہا حضورؐ نے اے عندلیبِ باغِ حجاز
کلی کلی ہے تری گرمیِ نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوشِ جامِ ولا ہے دل تیرا
فتادگی ہے تری غیرتِ سجودِ نیاز
اڑا جو پستیِ دُنیا سے تو سوئے گردوں
سِکھائی تجھ کو ملائک نے رفعتِ پرواز
نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بُو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا
حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ وگُل ہیں ریاضِ ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بُو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں۔ (اقبالؒ)

باہمی اتحاد و اتفاق اور اعتماد کیلئے جدّ و جہد کی ضرورت ہے

مدراس میں مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کی متعدد تقریریں

(نمائندۂ روزنامہ "مسلمان" کے قلم سے)

۲۵ر دسمبر کو صبح ۹ بجے مشہور مصنف و مفکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ مدراس تشریف لائے۔ سنٹرل اسٹیشن پر استقبال کرنے والوں میں علماء، ممبران پارلیمنٹ، ڈاکٹر، پروفیسر، ممتاز تجار اور نوجوانوں کا ایک بہت بڑا ہجوم موجود تھا۔

حضرت مولانا کے میزبان جناب عماد الدین صاحب نے معزز مہمان کے اعزاز میں اپنی رہائش گاہ پر دوپہر میں ایک پُر تکلف استقبالیہ دیا جس میں ہر مکتب فکر کے دانشور مدعو تھے۔ اس موقع پر مولانا نے اپنے فکر انگیز خطاب کے دوران تقابلی تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مدراس نے علمی دنیا پر دو زبردست احسان کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس نے دنیا کو علامہ سید سلیمان ندوی کے خطبات دئے، ایسی جامع کتاب سیرت نبوی پر دنیا کی کسی دوسری زبان میں نہیں لکھی گئی۔ جب اس کا عربی ترجمہ ہوا تو اہل عرب حیران رہ گئے کہ سیرت پاک کو اس انداز سے بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور دوسرا احسان خطبات اقبال ہیں۔

مولانا نے ہندوستانی علماء کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کے ایک عالم نے عربی زبان میں تاریخ پر ایسی جامع تصنیف کی ہے جس کو ہم دنیا کے ادب کے مقابلہ میں پیش کر سکتے ہیں۔ وہ کتاب ہے "نزھۃ الخواطر" جو آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مصنف مولانا کے والد ماجد مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

تقریر سے پہلے حضرت مولانا کی خدمت میں جناب قاری محمد قاسم صاحب انصاری بھوپالی نے سپاس نامۂ خلوص پیش کیا اس کے جواب میں حضرت مولانا نے مدراس سے اپنے دیرینہ روابط کا ذکر کیا۔ شام کو مسلم ہائر سکنڈری اسکول کے احاطہ میں اسلامک سنٹر کی افتتاحی تقریب عمل میں آئی۔ تقریب کا آغاز مولانا محمد قاسم صاحب نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ سنٹر کے ڈائرکٹر جناب ڈاکٹر سید خلیفۃ اللہ صاحب نے اسلامی سنٹر کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ ادارہ مسلمانوں کی تعلیمی، تہذیبی اور ثقافتی ترقی کی جد و جہد کرے گا تاکہ مسلمان وفادار اور باعزت شہری بن کر زندگی گذاریں۔

اسی جلسہ میں حضرت مولانا علی میاں مدظلہ نے بصیرت افروز اور فکر انگیز تقریر فرمائی۔

مدراس ہائیکورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب بشیر احمد سعید نے حضرت مولانا کی تامل کتاب کا اجراء کیا۔ اس کا تامل زبان میں ترجمہ جناب اے۔ کے۔ اے عبدالصمد صاحب ایم۔ پی نے کیا ہے۔

جلسہ کے اختتام پر حضرت مولانا نے دعا فرمائی اور سابق ممبر پارلیمنٹ جناب خواجہ محی الدین نے حضرت مولانا اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

۲۶ر دسمبر کو بعد نماز فجر حضرت مولانا نے مسجد پیری میٹ میں ایک بڑے مجمع کو خطاب فرمایا اس کے بعد آپ ویلور تشریف لے گئے۔ نماز جمعہ کے بعد جنوبی ہند کی ممتاز دینی درسگاہ مدرسۂ باقیات صالحات کے دار الحدیث میں خطاب فرمایا۔ دَورِ حاضر میں علماء، طلباء کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے فرمایا کہ آج کے نصاب تعلیم میں تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔ مدارس کا موجودہ نصاب تعلیم درس نظامی زوال کے دروازہ پر پہنچ چکا ہے اور وہ وقت کے تغیر آشنا تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، دنیا کو صحت مند اور صالح فکر کی ضرورت ہے اپنے اندر اس کے جوہر پیدا کئے جائیں، اپنے اندر صلاحیت پیدا کئے بغیر صرف اسلاف کے کارناموں کو بیان کرنے سے دنیا زیادہ عرصہ تک اس کو برداشت نہیں کر سکتی۔ دنیا تب ہی مطمئن ہوگی جب آپ اس کے سامنے صلاحیتوں کو پیش کریں۔ آج بھی دنیا میں صلاحیتوں کی قدر کی جاتی ہے لیکن اس کے لئے اخلاص اور اختصاص شرط ہے۔

مدرسہ کے ناظم اساتذہ اور طلبہ نے حضرت کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ آخر میں جناب منور نثار ازہری پروفیسر جواہر لال نہرو یونیورسٹی نے ہدیۂ تشکر پیش کیا۔

شام ۷ بجے قرآن و سیرت اکاڈمی کے زیر اہتمام کریسنٹ ہال مدراس میں "پیام انسانیت" پر شاندار جلسہ ہوا۔ اس موقعہ پر حضرت مولانا نے عام خطاب کے دوران بتایا کہ آج کا انسان خود غرضی اور لالچ میں مبتلا ہے، انسانیت کے درد کے بغیر کسی بھی قوم کا بھلا نہیں ہو سکتا۔ انسان جب اچھے کام کرتا ہے، فرشتے اس پر رشک کرتے ہیں اور جب بُرائی کرنے پر آتا ہے تو شیطان بن جاتا ہے۔ آج باہمی اتحاد و اتفاق کے لئے جد و جہد کی ضرورت ہے، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی، خلوص اور محبت کا برتاؤ کرنے کی ضرورت ہے۔ قوموں کے درمیان مذہب اور عقیدہ امتیاز کی چیزیں ضرور ہیں، لیکن انسانیت کے لحاظ سے ساری قومیں مشترک اور ایک ہیں اور سب ہمدردی کے مستحق ہیں۔

بقیہ صفحہ ۴: عالمی منصوبہ

تمام تخریبی وسائل کے متعلق اگر تحقیق کی جائے تو ان کے اندر ایک ہی ذہنیت کارفرما نظر آئے گی اور معلوم ہوگا کہ یہ سب ایک ہی منصوبہ کے تحت ہو رہا ہے خواہ ان سے پہلے کام کرنے والوں یا خود ان کو اس کا اندازہ ہو یا نہ ہو، اسی لئے اس کا اصل نشانہ داعیان کرام، مساجد، دینی مدارس اور مسلمانوں کے اجتماعات ہیں۔

اشتراکی کیمپ اور صلیبی (اور صیہونی) کیمپ میں صرف ایک فرق ہے، موخر الذکر کے یہاں پروپیگنڈوں اور سازشوں کو اصل اہمیت حاصل ہے، اس کے بالمقابل اول الذکر کے یہاں ہتھیار اور پروپیگنڈے دونوں یکساں اہمیت کے حامل ہیں، یہ فرق ان حکومتوں میں اچھی طرح دیکھا جا سکتا ہے جو دونوں کیمپوں کی دست نگر ہیں، ہو سکتا ہے کہ افغانستان کے واقعات، افغانستان میں سوویت یونین کی مداخلت، افریقہ، یورپ میں اسلامی تحریکوں کی سرگرمیاں اور اسلام کی طرف میلان، کمیونزم اور عیسائی مشنریوں کی ناکامی نے اسلام دشمن عناصر کو مسلمانوں کی سرگرمیوں کو روکنے، ان کو مرعوب کرنے، اور ان کی حقیقی روح کو مجروح کرنے پر مجبور کر دیا ہو اور یہی اسلام کے خلاف مہم کو تیز کرنے کا سبب ہو، لیکن مسلمانوں کی آزمائشیں کتنی ہی بڑھ گئی ہوں، اور وہ کتنے ہی ناسازگار اور ناساعد حالات سے گذر رہے ہوں ان کی عزت و شرف کو قدموں سے روندا جا رہا ہو، ان کی بے آبروئی کی جا رہی ہو، ان کے دین کی تحقیر کی جا رہی ہو، حالات کا رُخ اسلام ہی کی طرف ہے، ظلم و تشدّد، جھوٹ اور فریب کے وسائل انصاف اور حق میں تاخیر تو پیدا کر سکتے ہیں لیکن اس طاقت کو ختم نہیں کر سکتے، اسلام کے لئے یہ آزمائش یا یہ حالات نئے نہیں ہیں۔

البتہ مسلمانوں کی ذمہ داری ان حالات کے پیش نظر دو چند ہو گئی ہے، ان کو اپنا کام اس نہج سے کرنا چاہئے کہ دشمنی کے جذبات کی بجائے محبت اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوں اور ان کی بات سننے اور ان کے مسئلہ کو سمجھنے کا رجحان بڑھے، ان کو سمجھنا چاہئے کہ وہ ایک ہی وقت میں ہتھیار اور پروپیگنڈے کی طاقت کا سامنا کر رہے ہیں، تاریخ منتظر ہے کہ مسلمان اس بار گراں کو کس طرح اٹھاتے ہیں اور اس عظیم ذمہ داری سے کس طرح سبکدوش ہوتے ہیں۔

سفر "ھفوف" کے

مشاہدات و تأثرات

محمد عبدالرشید ندوی، متعلم ریاض یونیورسٹی

ریاض میں تعلیمی سلسلہ میں چار سال کے قیام کے دوران مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، اور جدہ کے علاوہ بہت کم ہی کسی دوسرے شہر جانے کا اتفاق ہوا ہے حتیٰ کہ مضافات ریاض میں بھی دو تین بار سے زائد نہیں جا سکا کبھی جامعہ کے پروگرام کے تحت مضافات ریاض، درعیہ، سلبوخ اور الخرج وغیرہ جانا ہوا اور کئی بار ذاتی طور پر یا مجلس تحقیقات کے کام سے ظہران، دمام اور الجُرد جانا ہوا، ذاتی طور پر بنائے گئے پروگرام کے تحت، ھفوف و مضافات ھفوف جانے کا اور وہاں کے تاریخی مقامات دیکھنے کا اتفاق ہوا تو سوچا اور بعض رفقاء سفر کا اصرار بھی ہوا کہ آپ لوگوں کو بھی ان تاریخی مقامات اور شہروں کی سیر کرا دوں اگرچہ فارسی کا مقولہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" ایک حقیقت ہے۔

حج سے واپس آئے ایک ماہ گذر چکا تھا تعلیمی و ثقافتی سرگرمیاں جاری تھیں، زندگی اپنے معمول پر تھی مگر اس میں ایک طرح کی یکسانیت اور یک رنگی تھی اس لئے طبیعت یکسانیت کے اس دائرہ سے نکلنے کی متقاضی تھی، مگر کسی جگہ اور رفقاء سفر کا تعین نہ ہو پاتا تھا۔

جمعہ کا دن تھا مولانا محمد اجتبا ندوی صاحب (استاذ کلیۃ اللغۃ العربیۃ ریاض) کے گھر پہنچا تو دسترخوان لگا ہوا تھا اور کچھ بے تکلف ساتھی بھی کھانے پر موجود تھے مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی یکایک میرے کان میں سفر کی بھنک پڑی۔ مولوی قمر علی ندوی صاحب، محمد یحییٰ ندوی، اور سعید حسن ندوی "ھفوف" جانے کا پروگرام بنا رہے تھے اور میزبان کی حیثیت سے محمد اسامہ بستوی کا انتخاب ہوا تھا۔ (جو مولانا اجتبا صاحب کے بھانجے ہیں) اور میں نے ان سے ھفوف آنے کا وعدہ کر رکھا تھا چنانچہ میں بھی اس پروگرام میں شامل ہو گیا اور سفر جمعرات کو ٹرین سے طے ہوا۔ اس ٹرین سے جس کی دوڑ صرف "ریاض" سے "دمام" تک ہے بس! اگر آپ اسٹیشن دیکھ لیں تو اسے کسی دور افتادہ دیہات کا اسٹیشن سمجھیں اور اگر ریلوے لائن پر ایک نظر ڈالیں تو اسے منجملہ آثار قدیمہ محسوس کریں۔ لیکن اگر ٹرین دیکھیں تو اس کے سامنے یورپ و امریکہ کی ٹرینیں بھی مات نظر آئیں۔ پوری ٹرین ایرکنڈیشنڈ قالین سے مزین، بڑے بڑے شیشوں پر سبز رنگ کے دوہرے پردے، بہترین آرام دہ سیٹیں، بوقت ضرورت جدھر چاہیں ادھر رخ کریں، نہ شور و غل، نہ کوئی ہنگامہ اور سب سے بڑی بات یہ کہ نماز کے لئے ایک خاص جگہ مقرر۔

خدا خدا کر کے جمعرات کا دن آیا اسامہ کو فون سے اطلاع کر دی گئی تاکہ وہ اسٹیشن پر موجود رہیں، چار آدمیوں کا یہ مختصر سا قافلہ ۲ بجے دوپہر کو ریاض اسٹیشن پہنچ گیا، ٹرین آئی آنکھوں نے دیکھا مگر کان اس کی آمد سے بے خبر رہے، ڈھائی بجے اور ٹرین روانہ ہو گئی، نہ کانوں کو سیٹی کی آواز سنائی دی اور نہ آنکھوں کو سگنل یا سبز جھنڈی نظر آئی، کتنے ہی اسٹیشن آئے مگر دیکھنے اور سننے کے باوجود کوئی خبر نہ ہوتی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ "ھفوف" بھی آئے اور گذر جائے مگر ایسا نہیں ہوا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ہر اسٹیشن آنے سے پہلے ٹی ٹی آتا ہے اور اس اسٹیشن پر اترنے والوں سے ٹکٹ لے لیتا ہے۔ اب آپ اترنے کے لئے تیار ہو جائیں اور بے فکر ہو کر اسٹیشن پر اتر جائیں یہاں آپ سے کوئی شخص ٹکٹ طلب کرے گا اور نہ یہ پوچھے گا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں، ہاں لیکن اترتے وقت یہ یاد کر لیں کہ آپ کے ساتھ کوئی وزنی سامان بکس وغیرہ تو نہیں تھا اگر تھا تو آپ اسی جگہ تک جائیں جو سامان رکھنے کے لئے مخصوص ہے اور ٹوکن دکھا کر اپنا سامان لے لیں۔ آپ پچاس کلو تک وزن بغیر کسی چارج کے لیجا سکتے ہیں، ٹرین پر سامان لادنے اور اتارنے کی ذمہ داری اسٹیشن کے عملہ پر ہے، ایک بات تو بتانا بھول ہی گیا، اگر آپ کو ٹرین میں سوار ہونے کے بعد کوئی ضروری کام یاد آ گیا یا آپ کسی تک کوئی پیغام پہنچانا چاہتے ہیں تو آپ کے لئے ٹیلیفون حاضر ہے، متعینہ سکہ اس میں ڈالئے اور فون کیجئے۔ ٹرین کا سفر آرام دہ اور پرسکون رہا، تقریباً آٹھ بجے شام کو ھفوف پہنچے، اسامہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسٹیشن پر موجود تھے ان ہی کی رہنمائی میں قیام گاہ پہنچے کھانا وغیرہ سے فارغ ہو کر جمعہ کی نماز کے بعد "جبل القارۃ" "مسجد جواثی" "عین النجم" اور دیگر سرسبز مقامات دیکھنے کا پروگرام بنا۔

نماز جمعہ کے بعد بارہ آدمیوں کا قافلہ بذریعہ کار روانہ ہوا، رات میں تو شہر دیکھنے کا زیادہ موقع نہیں ملا تھا لیکن اب دن کی روشنی میں شہر کو دیکھنا اور سمجھنا آسان تھا۔ ھفوف شہر میں ابھی نئی تہذیب و تمدن اور اس کے لوازمات اتنے زیادہ دخیل نہیں معلوم ہوتے جتنے ریاض، دمام، خبر، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور جدہ وغیرہ میں نظر آتے ہیں۔ عمارتیں عموماً پرانی اور مٹی کی نظر آتی ہیں اور ان سے عربی طرز تعمیر کا اندازہ ہوتا ہے، نئی عمارتیں بھی پرانی عمارتوں کے دوش بدوش موجود ہیں لیکن کم ہیں اور زیادہ بلند نہیں ہیں شہر کے بعض علاقوں پر لکھنؤ کی بعض گلیوں اور کوچوں کا گمان ہوتا ہے اسی لئے جب رات میں ہم لوگ کھانے کے بعد چہل قدمی کے لئے نکلے تھے اور گلیوں میں داخل ہوئے تھے تو کسی نے کچھ حصہ کو احاطہ شوکت علی سے تشبیہ دی تھی اور کسی نے کچھ حصہ کو امین آباد، چوک اور نخاس سے مشابہ قرار دیا تھا۔

شہر سے باہر کا علاقہ خاصہ سرسبز و شاداب ہے، پختہ نہر اور نالیوں کے ذریعہ باغات تک پانی پہنچانے کا انتظام کیا گیا ہے جہاں تک نظر جاتی ہے کھجوروں کے باغات ہی باغات نظر آتے ہیں اور دل میں پہلی بار کسی عرب ملک میں ہونے کا احساس شدت سے جاگتا ہے۔

ہماری پہلی منزل چھ سات کیلو میٹر دور "قارۃ" کا پہاڑی سلسلہ تھا جس کے عجیب و غریب غار دور دور تک مشہور ہیں۔ جیسے ہی ان پہاڑوں پر نظر پڑی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں، سفید رنگ کے پہاڑ پہلی بار نظر سے گذر رہے تھے، خاکی رنگ کے، سرخ رنگ کے، کتھئی رنگ کے اور سیاہ رنگ کے پہاڑ تو ریاض سے مدینہ منورہ اور مدینہ سے مکہ مکرمہ و جدہ کے راستوں میں کثرت سے نظر آئے تھے لیکن یہ پہاڑ تو بالکل سفید تھے جو دور سے ہلکی شرخی مائل نظر آتے تھے اُن پہاڑوں میں بہت سے غار ہیں جن کو دیکھنے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ ان پہاڑوں کی تاریخ بہت پرانی ہے کیونکہ اب یہ آہستہ آہستہ . . . . گرتے جا رہے ہیں ایسا لگتا ہے کہ آپ نے ہاتھ لگایا اور وہ نیچے گرا لیکن ایسا نہیں ہے۔ ان کے گرنے کے لئے شاید ابھی صدیاں درکار ہوں ان پہاڑوں کا بعض حصہ کہیں کہیں سے اس طور پر گرا ہے کہ ان پر کئی کئی منزلہ بے چھت کی غلام گردش ہونے کا گمان ہوتا ہے اور احساس ہوتا ہے کہ کبھی یہ بھی آباد رہے ہونگے غاروں کے بعض حصے بہت تنگ ہیں اور بعض بہت کشادہ ہیں اور عموماً سورج کی روشنی اندر پہنچتی ہے لیکن اوپر سے ان جگہوں کا نظر آنا بہت مشکل ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غار خود بخود نہیں بن گئے ہیں بلکہ ان کو انسانی ہاتھوں نے تعمیر کیا ہے۔ بعض بڑی بڑی چٹانیں تو اتنی سطح اور برابر ہیں کہ اُن پر ڈھلی ہوئی دیوار کا شبہ ہوتا ہے بعض حصے نیچے سے چوٹی تک بالکل کھلے ہیں اور گنبد کی طرح گول ہیں، بعض حصے بالکل تاریک ہیں غاروں کے اندر سے بعض قدرتی راستے ایسے ہیں جو چوٹی تک پہنچاتے ہیں، پانی کا ایک چشمہ بھی ہے جسے اب بند کر دیا گیا ہے، ان غاروں کو دیکھ کر یہ خیال آتا ہے کہ شاید اسی قسم کے پہاڑ ہونگے جن کے غاروں میں محفوظ ہو کر افغان مجاہدین روسی جارحیت سے برسرِ پیکار ہیں اور پھر ساتھ ہی ان پہاڑوں کے خالق کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے جس نے عجیب و غریب قسم کے پہاڑ اور غار بنائے ہیں۔ ان غاروں کی ایک اہم خصوصیت کا انکشاف ایک جغرافیہ داں نے کیا ہے وہ کہتا ہے "قارۃ" کے پہاڑوں کے غار سخت سردیوں میں آگ کی طرح گرم اور سخت گرمیوں میں برف کی طرح ٹھنڈے رہتے ہیں۔[1]

کون ہوگا جو ان پہاڑوں کی کیفیت و عظمت اور غاروں کی ندرت و وسعت دیکھتے ہوئے بھی خدا کی قدرت و عظمت اور خالقیت و ربوبیت کا انکار کرے۔ غالباً اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت و وحدانیت کے لئے جہاں اور چیزوں کو بطور ثبوت پیش کیا ہے اور ان پر غور و فکر کی دعوت دی ہے وہیں پہاڑوں کا بھی تذکرہ کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت والی السماء کیف

[1] صحیح الاخبار عمانی بلاد العرب من الآثار ص ۱۶۲ ج ۳ محمد بن عبد اللہ بن بلیہد۔

مطالعہ کی میز پر

(تبصرہ کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں)

شمس تبریز خاں

پُرانے چراغ (مع تکملہ سینے کے داغ) حصہ دوم - از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

صفحات : ۴۳۱ ، قیمت : ۲۵ روپے

پتے - مکتبہ فردوس، مکارم نگر، لکھنؤ - مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس نمبر ۹۳ لکھنؤ

مرحوم یا معاصر شخصیتوں پر کچھ لکھنا آسان بھی ہے اور دشوار بھی۔ واقعات و حادثات کو ادب و انشا، یا تاریخ و سوانح کے پیرائے میں محض بیان کر دینا اور اپنے ممدوح کی شان میں مبالغہ کر کے اسے تمام صفات حسنہ سے موصوف یا اپنے مخالف کو مطعون کرنا بہت آسان ہے، مگر کسی شخصیت کے حقیقی جوہر کو سمجھنا اور دل نشیں پیرائے میں متعارف کرانا، کسی ناپسندیدہ شخصیت پر تعمیری تنقید اور مدح و قدح میں اعتدال و توازن برقرار رکھنا اور قلم سے موئے قلم یا کمرہ کا کام لینا (جس سے کسی شخصیت کی صحیح تصویر سامنے آجائے)، بہت مشکل کام ہے جو ظرف و سلیقہ چاہتا ہے۔

اردو میں خاکہ نگاری کی روایت اب پختہ ہو چلی ہے مگر مولوی عبدالحق (چند ہمعصر)، رشید احمد صدیقی (گنجہائے گرانمایہ وغیرہ)، مولانا سید سلیمان ندوی (یادِ رفتگاں)، مولانا عبدالماجد دریا بادی (معاصرین) جیسے فن کے اچھے نمونے اب بھی کم یاب ہیں۔ یہ ہماری خوش بختی ہے کہ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ نے تذکرہ نگاری کی خاندانی روایت کو اپنی کتاب "پُرانے چراغ" کے ذریعہ بہت آگے بڑھایا ہے اور اردو خاکہ نگاری کو ایک نیا وقار و اعتبار بخشا ہے کئی سال پہلے حضرت مولانا کے قلم سے اس کتاب کا پچھلا حصہ نکل کر مقبول عام ہو چکا ہے یہ دوسرا حصہ بھی ہر طرح 'نقش ثانی' کہے جانے کا مستحق ہے۔ پہلے حصے کی طرح اس حصے کی نمایاں خصوصیات میں بے مبالغہ واقعہ نگاری، توازن و اعتدال، ہمدردانہ اظہار خیال، شخصیت کی صحیح تصویر کشی اور جوہر شناسی اور اس کے قلب و روح اور ذہن و دماغ تک رسائی کی کوشش اور نقطۂ نظر کی صحت و اسلامیت اور ذوق کی لطافت و طہارت اور ذہن و جذبہ کی شرافت سطر سطر سے عیاں ہے۔

"پرانے چراغ" کی ایک خصوصیت اس کے دائرۂ تحریر کی وسعت اور تنوع بھی ہے دونوں جلدوں میں تقریباً پچاس باکمال شخصیتوں کی قلمی تصویریں آگئی ہیں، (جو بیسویں صدی کے ہندوستانی مسلمانوں میں کسی نہ کسی لحاظ سے) ممتاز مقام و اہمیت کی حامل ہیں، اور ان کی زندگی میں درس و عبرت کا بڑا سامان ہے۔

کتاب کی افادیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں شخصیتوں کے کسی ایک رُخ کو پیش کرنے کے بجائے مجموعی شخصیت اور اس کی وحدت و کلیت پر نظر ڈالنے اور ہم آہنگی قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اظہار خیال میں ضبط و احتیاط، توازن و اعتدال اور شخصیت کے بنیادی و حقیقی فضل و کمال کو نمایاں رکھنے کی سعیٔ بلیغ کتاب کی انفرادیت کہی جا سکتی ہے۔

اس کتاب کے ذریعہ نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر ذاکر حسین، نقی ابن الحسینی، مولانا عبدالماجد دریا بادی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، مولانا محمد ادریس ندوی، مولانا عبدالسلام قدوائی، مولانا مودودی، اور مولانا محمد الحسنی کی سیرت کے بہت سے اہم پہلو منظرِ عام پر آئے ہیں جن میں آئندہ کے مؤرخ و تذکرہ نگار کے لئے رہنمائی کا سامان ہے۔ مولانا محمد علی، صدر یار جنگ، ڈاکٹر ذاکر حسین، مفتی ابن الحسینی، مولانا دریا بادی، رشید احمد صدیقی، مولانا مودودی، امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کے متعلق مضامین خصوصی اہمیت کے حامل ہیں اور مولانا محمد الحسنی کا تذکرہ کتاب کی جان ہے اور اپنے اندر اہمیت و افادیت کے گوناگوں پہلو رکھتا ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ اردو خاکہ نگاری و تذکرہ نویسی اور اسلامی ادبیات میں قابل قدر اور بیش بہا اضافہ ہوا ہے جس سے دین و ادب پر کام کرنے والے برابر مستفید ہوتے رہیں گے۔ زبان و بیان کے معیار سے بھی سادگی کے ساتھ خوش اسلوبی، سنجیدگی کے دوش بدوش رعنائی و شگفتگی ہر جگہ موجود ہے، اور دبستانِ شبلی و سلیمان کی فنی خصوصیات کے ساتھ لکھنؤ اسکول کی ادبی رعایتوں اور روایتوں سے بھی پورا کام لیا گیا ہے۔

ابن کثیر کمؤرخ : از ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خاں صاحب ندوی

صفحات ۲۰۲ ، قیمت : ۱۰/ روپے

پتہ : پبلی کیشنز ڈویژن، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خاں صاحب ندوی بھوپالی ایک علمی و دینی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور عصری تعلیم سے بھی انھیں وافر حصہ ملا ہے اس لئے ان دونوں خصوصیات کا اثر ان کی پہلی کتاب "حیات ابن کثیر" (عربی) کی طرح پیشِ نظر کتاب میں بھی نمایاں ہے، یہ ان کے ڈاکٹریٹ کے مقالے کا دوسرا حصہ ہے جس میں تحقیق و تدقیق تلاش و جستجو، تاریخی ذوق و وسعتِ مطالعہ اور سلامت طبع ہر باب میں موجود ہے۔

علامہ ابن کثیر کو اپنے نامور استاذ علامہ ابن تیمیہؒ سے نقدِ رجال اور تحقیقِ حدیث کا جو اعلیٰ ذوق ملا تھا اس سے انھوں نے اپنی تفسیر کی طرح اپنی تاریخ "البدایۃ والنہایۃ" میں بھی کام لیا اور اسلامی تاریخ نویسی کی ایک معتبر و مستند روایت قائم کی اور اپنے سے پیشتر کے تقریباً تمام ہی مؤرخین کی تاریخوں کی تصحیح و تحقیق کے بعد اپنی تاریخ مرتب کی، اسلامی تاریخ اور اس کے پس منظر کو سمجھنے کے لئے ابن کثیر کی تاریخ ایک لازمی کتاب ہے۔ پھر جب تک اس تاریخ کے مآخذ و مصادر اور ابن کثیر کے اخذ و ترک اور رد و قبول کے اصول پیش نظر نہ ہوں، اس عظیم تاریخ کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اسلامی تاریخ کے تحقیقی مطالعہ کا ذوق پیدا ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر مسعود صاحب نے تاریخ ابن کثیر کے تحقیقی جائزہ کے ذریعہ اس تاریخی خلا کو پُر کیا ہے اور اسلامی تاریخ کے تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کے سنگلاخ راستے کو ہموار کرنے کی امکانی کوشش کی ہے جو ہر طرح قابلِ قدر ہے۔

بہتر ہوتا کہ ابن کثیر کی مؤرخانہ حیثیت سے بحث کے وقت ان کی دیگر تاریخی اور سوانحی کتابوں کو بھی شامل کر لیا جاتا تاکہ یہ بحث اور مکمل ہو جاتی۔ اس کے ساتھ ہی مصنف محترم اگر ابن کثیر کی تفسیر کا بھی تحقیقی جائزہ پر بھی قلم اٹھائیں تو ایک بڑا کام ہو جائے۔

ندوۃ العلماء کا ترجمان

تعمیر حیات لکھنؤ

جو گذشتہ اٹھارہ سال سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء) کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے جس کو ملک کے دینی، علمی اور ثقافتی حلقوں میں ممتاز مقام حاصل ہے۔

اس وقیع پندرہ روزہ میں

قرآن مجید کا حیات آفریں پیغام، محسن انسانیت کے دلنشیں ارشادات، پیغمبر اسلام کی تعلیم اور عہد حاضر، غیر بھی معترف ہیں تیرے، اہل اللہ کے مؤثر سبق آموز حالات کے ساتھ تحریک ندوۃ العلماء کا تعارف، ندویانہ زندگی کے چند روشن اوراق اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی علمی و تعلیمی سرگرمیوں پر مشتمل مضامین شائع ہوتے ہیں۔

بقیہ صد ۱۳ سفر ھفوف

رفعت والی الجبال کیف نصبت و الارض کیف سطحت"

(سورہ الغاشیہ ۱۷ تا ۲۰)

(کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کیا گیا، اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند کیا گیا اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے کھڑے کئے گئے اور زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی)

"جبل القارۃ" کے بعد ہم لوگ مسجد "جواثی" گئے جو تقریباً ۲۰۔۲۵ کلو میٹر ہے یہ وہ مسجد ہے جس میں وفد بنی قیس نے مدینہ منورہ سے واپسی میں اسلام کی دوسری نماز جمعہ ادا کی تھی مسجد خاصی چھوٹی ہے اب صرف محرابیں باقی رہ گئی ہیں جس کے اوپر سائبان بنا دیا گیا ہے اور پوری مسجد چاروں طرف سے گھیر دی گئی ہے بلکہ یوں سمجھ لیں کہ سابقہ قدیم مسجد اب ایک جدید نئی مسجد کے اندر آگئی ہے مگر پرانی مسجد کی محرابیں اب بھی اپنی حالت میں موجود ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نئی مسجد بننے سے پہلے تک اس کی مرمت ہوتی رہی ہے، اس مسجد کا تذکرہ صحیح البخاری میں "وفد بنی قیس" کے ذکر کے ساتھ آیا ہے، حدیث ملاحظہ ہو :-

عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قال اول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی"

(فتح الباری ص ۳۶ - ج ۲)

(عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ پہلا جمعہ جو مسجد نبوی کے جمعہ کے بعد پڑھا گیا وہ عبد القیس کی مسجد جواثی میں پڑھا گیا)۔

مسجد کے آس پاس پارک سے بنا دئے گئے ہیں جن کی سینچائی ٹیوب ویل سے ہوتی ہے لوگ عموماً جمعرات جمعہ کو یہاں آجاتے ہیں اور پارکوں کی سرسبزی و شادابی سے محظوظ ہوتے ہیں ہم لوگ بھی ایک قریبی پارک میں رُک گئے یہیں کھانا کھایا اور دس پندرہ منٹ آرام کر کے "مسجد جواثی" میں عصر کی نماز پڑھی اور چشمہ "النجم" کی طرف روانہ ہو گئے، اس چشمہ کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟ اور یہ کس کی طرف منسوب ہے! کچھ معلوم نہ ہو سکا، اس کے بارے میں مشہور ہے کہ جو مریض بھی اس میں غسل کرتا ہے شفایاب ہو جاتا ہے یہ کہاں تک صحیح ہے اسکو خدا ہی جانے البتہ مجھے اس کی صحت میں تردد ہے، چشمہ کا پانی گرم ہے اور عورتوں، مردوں کے لئے الگ الگ کمرہ نما حوض بنا دئے گئے ہیں، ہم لوگ وہاں پہنچے تو غسل کرنے والوں کا ہجوم نظر آیا، چشمہ تو اب نظر نہیں آتا کیونکہ اس میں موٹر لگا دیا گیا ہے جس سے پانی دونوں حوضوں میں جاتا ہے، چشمے کے آس پاس کھیتی بھی ہوتی ہے۔

"عین النجم" دیکھنے کے بعد ہم لوگ باغوں اور پارکوں کی سیر کرتے ہوئے واپس جائے قیام پہنچے اور پھر وہاں سے اپنی منزل "ریاض" کی راہ لی، سفر بہت خوش گوار اور پُرلطف رہا جس کا اثر ابھی تک دل و دماغ پر باقی ہے۔ سفر کی روداد اپنے دوسرے ساتھیوں کو سنائی تو ان کو بھی "ہفوف" کی سیر کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔

بقیہ صد ۱ : اسلام کا پیغام

آج امت مسلمہ جس کسمپرسی، بیچارگی اور جس ذلت و نکبت سے دوچار ہے اس کا سبب سیرت رسول سے دوری اور اس نعمت کی ناقدری ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ؐ کے ذریعہ ان کو عطا کی ہے۔ اور اس نعمت کے نتیجہ میں ایک دوسری نعمت اسلامی اخوت کی عطا کی گئی جو اس بات کی تاکید تھی کہ اس نعمت سے کبھی غافل نہ ہونا چاہیے، چاہے زندگی کتنی بھی مشغول ہو اور دنیاوی ذمہ داریاں کتنی ہی زیادہ۔

"اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً"

لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اس عظیم نعمت سے بے اعتنائی برتی اور سیرتِ رسول ؐ کو طاق نسیان پر رکھ دیا تو دشمنی اور عداوت کا بازار گرم ہو گیا اور اخوت اسلامی پارہ پارہ ہو گئی۔ مسلمانوں نے اپنی جاہلیتِ قدیمہ کا ایسا مظاہرہ کیا جس کے اظہار سے زبان عاجز ہے۔ اپنے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کے ساتھ سازباز کیا اور اُن کو اپنا ہم راز بنانے میں ذرا بھی افسوس نہ کیا، ان کا ضمیر اتنا مُردہ ہو گیا کہ کوڑیوں کے بھاؤ اپنا دین و ایمان فروخت کرنے پر تیار ہو گئے۔ دشمنانِ اسلام نے ان کو آلۂ کار بنا کر اپنے مقاصد کو پورا کیا۔

نگرانِ اعلیٰ :
مولانا ابوالعرفان ندوی
مجلسِ ادارت :
نذر الحفیظ ندوی
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی
پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔

سوپر ڈسٹ کے اسپشلسٹ

عباس علاء الدین اینڈ کمپنی

Abbas Alauddin & Co.

WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS.

اسپشل مکسچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مکسچر	فلاور بی، او، پی
سوداگر مکسچر	سوپر ڈسٹ

44, Haji Building, S. V. Patel Road,
Null Bazar, BOMBAY. 3.
Tele : Add. CUPKETTLE
Phone SHOP: 862220
RESI: 378054

۴۴۔ حاجی بلڈنگ، ایس وی، پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳